اقبال

قرآن اور اقبال

ابو محمدؐ مُصلح

قرآن اور اقبال

قرآن اور اقبال

مصنف
ابو محمد مصلح

اقبال صدی پبلیکیشنز نئی دہلی

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت اوّل ۱۹۷۷ء

قیمت ۱۸/= روپے

مطبوعہ جے۔ کے آفسیٹ پریس جامع مسجد دہلی ۶

تقسیم کار

مکتبہ روبی دریا گنج نئی دہلی ۲-۱۱۰۰۰

بیسویں صدی بکڈپو دریا گنج نئی دہلی ۲-۱۱۰۰۰

سکندر نیوز ایجنسی لال چوک سرینگر

عبداللہ رفوگر لال چوک سرینگر

فہرست

قرآن اور اقبال ---------------------------- ۷

فریادِ اقبال ---------------------------- ۸

حرفے چند ---------------------------- ۹

اقبال آپ اپنی نگاہ میں ---------------------------- ۱۱

اقبال سے میری پہلی ملاقات ---------------------------- ۱۳

اقبال راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں ---------------------------- ۱۶

قرآن کا اثر اقبال پر ---------------------------- ۲۱

اقبال بحیثیت ایک شاعر کے ---------------------------- ۲۵

حصہ نثر

تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ---------------------------- ۳۰

اسرارِ خودی کے متعلق ڈاکٹر نکلسن کے نام ایک خط ---- ۳۵

پیامِ مشرق کا دیباچہ ---------- ۳۷

ختمِ نبوّت اور قادیانیت ---------- ۳۹

حصّۂ نظم

اسرارِ خودی ---------- ۴۳

رموزِ بیخودی ---------- ۵۵

پیامِ مشرق ---------- ۹۹

زبورِ عجم ---------- ۱۰۷

جاوید نامہ ---------- ۱۱۱

مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق ---------- ۱۴۳

مُسافر ---------- ۱۵۱

ارمغانِ حجاز ---------- ۱۵۹

بالِ جبریل ---------- ۱۶۵

ضربِ کلیم ---------- ۱۷۳

بانگِ درا ---------- ۱۹۱

قرآن اور اقبال

زشامِ ما بروں آور سحر را
بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را

تو میدانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دِگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

○

فریادِ اقبال

بآں رازے کہ گفتم پے نبردند
ز شاخِ نخلِ من خرما نخوردند

من اے میرِ امم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند

حرفے چند

"قرآن اور اقبال" کے پیش کرنے سے میرے دُو مقصد ہیں۔ دیکھا گیا کہ اقبال کا جو پیغام تھا اس کو نوجوانوں نے قبول نہیں کیا اس لیے میرا فرض ہے کہ ایک مرتبہ اور اقبال کی اس محبُوب اور اُمیدوں کی مرکز جماعت کو قرآن کی طرف توجہ دِلانے کی کوشش کروں اور "حکومتِ الٰہیہ" کے قیام کی دعوت دوں۔

اسی مقصد کے حصُول کے لیے مَیں نے کوشش کی ہے کہ اقبال کی بیشتر تصنیفات سے ان حصّوں کو ایک جگہ جمع کردوں جو صاف لفظوں میں قرآنِ حکیم سے متعلق ہیں۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ کتاب اللہ کی ایک حقیر سی خدمت انجام پائے۔ جو اس ناچیز زندگی کا واحد مقصد ہے۔ یہی سبب ہے کہ تالیف و

تصنیف کے لوازم کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ شعر نقل کر دیے گئے ہیں اور استفادہ کا حق قارئین کے لیے محفوظ ہے۔

مجھے یہ بھی کہہ دینا چاہیے کہ عام طور پر آج کوئی بھی انسانی زندگی کے اِس مقصد پر نہیں جو اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے متعین کیا گیا ہے اور اس صحیح مرکز پر لانے کے لیے کہنے کی نہیں بلکہ کر دینے کی ضرورت ہے۔ اِقبالؒ کا کلام اس ضمن میں جو کچھ کر سکتا تھا کر چکا اور اسکے نتائج سامنے ہیں۔

ابو محمّد مصلح

بمبئی ——

ربیع الاوّل شریف ۱۳۵۹ھ

اِقبال آپ اپنی نِگاہ میں

چو رختِ خویش بربستم ازیں خاک
ہمہ گفتند با ما آشنا بُود!

و لیکن کس ندانست ایں مُسافر
چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بُود!

○

اقبالؒ سے میری پہلی ملاقات

مدراس کے علمی سفر سے واپسی پر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال مرحوم شاہی مہمان کی حیثیت سے چند روز حیدرآباد میں بھی ٹھہرے۔ میں تحریکِ قرآن کے سلسلے میں نواب نذیر جنگ بہادر کے ہمراہ ملنے گیا۔ تعارف کے بعد تحریکِ قرآن کا اوّلین مقصد قرآنِ مجید کی تعلیم، معنی و مطلب کے ساتھ عام اور لازمی کرنا بیان کیا گیا۔ اُس وقت تعلیم یافتہ نوجوانوں کا اچھا خاصا مجمع تھا۔

اقبالؒ نے اپنے خاص انداز میں کہا:

"مولوی صاحب! آپ کی تحریک سے کس کو انکار ہو سکتا ہے مگر پہلے یہ تو بتایئے کہ قرآن پڑھائے گا کون؟"

مجمع ہمہ تن گوش بن گیا اور مجھ کمبل بدوش کی طرف ایک خاص انداز سے دیکھنے لگا۔ کیونکہ یہ کوئی معمولی معارضہ نہ تھا اور نہ کسی معمولی شخص کی زبان سے

ادا ہُوا تھا۔

مَیں نے جواب دیا:

"ڈاکٹر صاحب! بے شک حقیقی معنوں میں قرآن کے پڑھانے والوں ہی کی کمی ہے۔ جس دن یہ کمی پُوری ہوئی سب کچھ ہو جائے گا۔ مگر آپ مجھے قرآن قرآن کرنے دیجیے۔ کیونکہ آپ کے حسبِ منشا قرآن پڑھانے والے بھی قرآن ہی سے پیدا ہوں گے۔"

اس کے بعد کچھ اور باتیں ہوئیں اور مَیں نے رُخصت چاہی۔ دوسرے دِن ایک طالب علم کے ہاتھ کچھ چھپی ہُوئی چیزیں بھجوائیں اور تحریک کے متعلق رائے طلب کی۔ طالب علم نے اپنی طرف سے یہ جُرات کی کہ ان کو بھی قرآنِ مجید کی تعلیم و تبلیغ کی دعوت دی۔ انہوں نے مزاحاً کہا:

"پہلے مَیں آپ کے اُستاد سے قرآن پڑھوں گا، پھر ضرور ایسا کرونگا۔"

اِس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اقبالؒ کس شان کے آدمی تھے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ ان کو کسی سے قرآن کے درس لینے کی ضرورت نہیں تھی وہ تو دوسروں کو "خدا کا آخری پیغام" سنانے کے لیے پیدا کیے گئے تھے اور پھر اس علم و حکمت کے زمانے میں اپنے اس فرض کو اُن سے زیادہ دِل آویز پیرائے میں کس نے پُورا کیا۔ جو روشن خیال تجدد پسند طبقہ کے لیے ناقابلِ انکار حقیقت بنا ہُوا ہے۔

پھر اُنہوں نے تحریک پر حسبِ ذیل رائے کا اظہار فرمایا:

تحریکِ قرآن پر حضرت علّامہؒ کی رائے:

جناب مولوی صاحب!

السلام علیکم ۔ قرآنی تحریک کا پروگرام مُبارک ہے۔ اِس زمانہ میں قرآن کا علم ہندوستان سے مفقود ہوتا جاتا ہے۔ ضرور ہے کہ مُسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی جائے۔ کیا عجب کہ آپ کی تحریک بارآور ہو اور مُسلمانوں میں قوّتِ عمل پھر عود کر آئے۔

مخلِص

اِقبال

GHALIB ACADEMY

اقبالؒ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں

اگرچہ ڈاکٹر اقبال نہ تو کالج کی پروفیسری کے لیے پیدا کیے گئے تھے نہ بیرسٹری کے لیے تخلیق کیے گئے تھے اور نہ ہی کونسل کی ممبری کے لیے وضع ہوئے تھے تاہم ان کے معنوی پیر کا یہ مقولہ ان پر صادق آتا تھا :

من بہر جمعیتے نالاں شدم
جفتِ خوش حالاں و بدحالاں شدم

ہر کسے از ظنّ خود شد یارِ من
وز درونِ من نجُست اسرارِ من

یہ دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس تھی جس کے عین انعقاد کے وقت اقبال کو آل انڈیا مُسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الٰہ آباد کی صدارت کرنی پڑی۔ اس مرتبہ لیگ کی کُرسیِ صدارت سے جو خطبہ پڑھا گیا وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے

ایک خاص چیز تھا۔ پاکستان کی تجویز اسی میں پیش کی گئی جس نے تاریخی مرتبہ حاصل کرلیا ہے اور آج ہندوستان کی سیاست کا رُخ بدل کر رکھ دیا ہے۔ یہ خُطبہ اخبارات میں شائع ہُوا اور میری نظر سے گزرا تو ایسا معلُوم ہُوا کہ مُسلم سیاسیات کی دوسری دُنیا سامنے آگئی ہے۔ مَیں نے محسُوس کیا کہ اصل مقصد کے قریب سے کوئی بولا ہے۔ اِس لیے مَیں نے فوراً ایک پمفلٹ شائع کیا اور اُس میں اِس بات کو واضح کرنا چاہا کہ ایک مُسلم کا اصل مُطالبہ پاکستان بھی نہیں بلکہ روئے زمین پر قیامِ حکومتِ الٰہیہ ہے۔ کیونکہ قرآن اس کے سوا کسی قسم کی حکومت کی تائید میں نہیں بلکہ تائید تو کجا سِرے سے وہ تمام دوسرے قسم کے نظام ہائے حکومت کو مٹانا چاہتا ہے۔ جس میں اس طرح کا پاکستان بھی شامِل ہے۔

مذکورہ بالا رسالہ جو خط کی شکل میں تھا اس کا جواب اقبالؒ نے اس وقت دیا جبکہ ہندوستان ٹائمز کے نمائندے نے ان سے دریافت کیا کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں آپ کیا خاص بات لے کر شریک ہو رہے ہیں؟

ڈاکٹر اقبال نے کہا:

"میرے پاس اور کچھ نہیں، لیکن قرآن ہے۔ مَیں اِسی کو پیش کروں گا۔"

اِقبالؒ سے میری دوسری ملاقات

مَیں "قرآن مجید معہ بچوں کی تفسیر" کی کتابت وطباعت کے سلسلے میں

کچھ مدت کے لیے لاہور گیا۔ ایک دن ڈاکٹر اقبال مرحوم سے بھی ملنے کی مسرت حاصل ہوئی۔ میرے ساتھ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی بھی تھے۔ عصر کی نماز وہیں ادا کی۔ چاء نوشی کی بھی نوبت آئی۔ اقبال چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ علالت کا سلسلہ جاری تھا مگر اتنا نہیں کہ معذوری ہو چکی ہو۔ سب سے پہلے تحریکِ قرآن کی رفتار کے متعلق استفسار کیا، پھر لاہور آنے کی غرض دریافت کی۔ اپنے بچوں کے لیے چھپے ہوئے پارے چغتائی صاحب کے ذریعے بھیج دینے کو کہا۔ حیدرآبادی سیاست کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو کے "اسلامی کلچر" پر خیال آرائی کا بھی ذکر آیا۔ اقبال نے جو اس کا جواب دیا تھا میں نے اس کی تحسین کی۔ مولوی عبدالحق صاحب انجمن ترقی اردو کا دفتر حیدرآباد سے دہلی منتقل کرنے والے تھے۔ اقبال نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ اس کے لیے موزوں مقام لاہور ہے۔ اسلام میں عورتوں کی حیثیت کا ذکر چھڑا تو اقبال نے کہا مجھ سے ایک دن ایک امریکن لیڈی ملنے آئی اور اس نے شکایۃً کہا کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔ اس پر اس کو ایسا مسکت جواب دیا گیا کہ قائل ہو گئی۔ اقبالؒ نے یہ بھی کہا تھا کہ دنیا میں صرف ایک ہی ذات ایسی ہوئی ہے جس نے عورت کی فطرت کو کامل طور پر پہچانا اور وہ ذاتِ گرامی محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی تھی۔ دیکھا گیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نامِ مبارک آتے ہی اقبالؒ کا دل بھر آیا ہے اور آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی ہیں۔

اقبالؒ کی وفات

مَیں لاہور میں کئی برس رہا۔ سیّد محسن شاہ صاحب سکریٹری انجمن اسلامیہ پنجاب اور میاں نظام الدین صاحب رئیسِ اعظم لاہور کی خواہش پر مدرسۂ عالمگیر تحریکِ قرآنِ مجید کے نام سے ایک تعلیم گاہ شاہی مسجد میں قائم کی گئی۔ یہ ایک ضمنی کام تھا۔ اصل امور انجام دینے کے لیے مسجد سے باہر صدر دروازے سے متصل شمالی حجروں کے سامنے جھونپڑے ڈالے گئے تھے۔ آسانی کے خیال سے بعد میں شب و روز مَیں وہیں رہنے بھی لگا تھا۔

ایک دِن دوپہر کے وقت خطیبِ مسجد مولوی نورالحق صاحب نے کُنڈی کھٹکھٹائی۔ مَیں باہر آیا تو اُن کی زبانی ڈاکٹر اقبالؒ کے اِنتقال کی خبر ملی۔ خطیب صاحب نے یہ بھی کہا کہ دروازے کے دوسری جانب (یعنی جنوبی سمت) کے حجروں کے سامنے جو صحن ہے مزار کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔ ابھی ابھی میاں نظام الدین صاحب، سیّد محسن شاہ صاحب اور مولانا غلام مرشد صاحب اسی سلسلے میں آئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی علالت کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا اور کبھی کبھی اخبار سے کوئی خبر مل جایا کرتی تھی۔ مگر یہ بات گمان میں بھی نہیں تھی کہ قرآن کا مُفسّر، اسلام کا داعی، انسانیت کا ہمدرد، مسلمانوں کا غم خوار اور دنیا کا ایک بڑا آدمی اقبالؒ ہمیشہ کے لیے ہم سے اس قدر جلد جُدا ہو جائے گا۔ خُدا کی مرضی ایسی ہی تھی جسے بہر حال پُورا ہونا تھا۔

اب شاہی مسجد کے دروازے کے ایک طرف میرا قیام تھا اور دوسری طرف اقبال کے لیے قبر تیار ہو رہی تھی۔ شام ہوئی۔ جنازہ آنے سے پہلے شاہی مسجد کے اندر اور باہر لوگ جمع ہونے لگے۔ حضوری باغ میں بھی ہر طرف آدمی ہی آدمی تھے۔ اس کے بعد جنازہ جس شان سے آیا اور جتنا عظیم الشان اجتماع نظر آیا وہ اپنی نظیر آپ تھا۔

لاہور کی شاہی مسجد ہندوستان کی سب سے زیادہ وسیع مسجد ہے اس کے صحن میں نمازِ جنازہ ادا ہوئی اور اس کے بعد تدفین عمل میں آئی۔

قلعہ اور مسجد کا درمیانی صحن صدیوں سے خالی پڑا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں نے بھی اس رعایت کو مدِنظر رکھا تھا اور خود اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کو بھی اپنے سوگوار اقبال کی خاطر منظور تھی اور چونکہ اس کے بعد بھی عرصہ تک لاہور میں رہا۔ اس لیے وہ سب مناظر رات دن دیکھتا رہا جو اقبال کے مزار پر عقیدت مندوں کی طرف سے پیش ہوتے رہے اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمت ہے لحد میری
کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی!

(اقبالؒ)

قرآن کا اثر اقبالؒ پر

قرآن حکیم کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور متوجہ ہونے والے پر بے پناہ اثرانداز ہوتا ہے۔ پھر ہر طرح اس کے ظاہر و باطن، اس کے غور و فکر اور اس کے اقوال و اعمال پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے اقبال بھی قرآن کے اسی تیرِ نظر کے گھائل تھے۔ قرآن جہاں سراپا عمل بننے کے لیے بے چین کرتا ہے وہاں نوعِ انسانی کے ہر فرد کو احکاماتِ خداوندی پر گردش کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ اشک بار آنکھیں اور بیتاب دِل بھی پیدا کر دیتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کے کلام میں خواہ نظم ہو یا نثر، سوز و گداز پیدا ہو جائے۔

شاعرِ اعظم قرآنِ مجید کی تلاوت کے وقت وجد میں آ جاتا تھا۔ قرآنِ مجید سُن کر اس کی عجیب حالت ہو جاتی تھی۔ گویا رُوح پر ایک

وجدانی کیفیت طاری ہے۔

ایک دفعہ ایک عرب نے قراءت شروع کی۔ ادھر اقبال بے قرار ہو گئے اور بے اختیار رونے لگے۔ اقبال اپنی نظموں کو بھی ترنم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے پھر یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ خدا کے کلام کو سنوار کر نہ پڑھتے۔ قرآنِ مجید کی تلاوت بآوازِ بلند کرتے تھے جس سے ان کے قلبی جوش کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ وہ وقت ہوتا تھا کہ قال حال بن جاتا تھا اور شاعر پر ایک خاص عالم طاری ہو جاتا تھا۔ اقبال راتوں میں جاگتے تھے اور سحرخیزی اُن کی چہیتی چیز تھی۔ پھر قرآن کو تو ان اوقات سے خاص لگاؤ ہے۔ لہٰذا شغفِ قرآن، قرآن کے نورانی صفحات اُن کے سامنے کر دیتا تھا، اور یہ بلبلِ ہزار داستان بڑی خوش الحانی کے ساتھ تلاوتِ قرآن میں مصروف نظر آتا تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ اقبال لحیم وشحیم تھے۔ مگر رقیق القلب ایسے تھے کہ دورانِ تلاوت میں روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔

اقبال کو بچپن ہی سے قرآن مجید کے ساتھ اُنس اور لگاؤ تھا۔ اخیر زمانے میں تو اُن کی پوری صدا قرآن ہی سے متاثر تھی۔ عوارض میں سے اگر کسی کا ان کو غم تھا تو وہ اپنی آواز کے بیٹھ جانے کا تھا۔ کیونکہ قرآن حکیم کو بلند آواز سے نہیں پڑھ سکتے تھے۔ تاہم بیماری کے دنوں میں بھی جب کسی نے قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھا۔ اقبال کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اُن پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی۔

اقبال قرآن کو ایک عملی چیز سمجھتے تھے۔ اُن کی نگاہ میں یہ فرمانِ خداوندی

نفوذ و اقتدار کے لیے تھا۔ وہ اللہ اور غیر اللہ کی حکومت اور قانون کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور مُسلمان جس طرح مارا پڑا ہے اور حقیقت سے منزلوں دُور ہو گیا ہے ہر لمحہ ان کے سامنے تھا۔

پنجاب کے ایک پیر صاحب نے اقبال سے ایک درخواست لکھ دینے کی فرمائش کی۔ تقریب یہ تھی کہ ان دنوں سرکار کی طرف سے لوگوں میں زمین تقسیم ہو رہی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اس قسمت سے کچھ حصّہ انکو بھی مِل جائے۔ جواب مِلا کہ درخواست تو مَیں لکھے دیتا ہُوں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ پیش کِس کے سامنے کرنا ہو گی۔ پیر صاحب اِس کو کیا سمجھتے۔ خاموش ہو رہے۔ اقبالؔ نے خود ہی کہا۔ پیر صاحب! ایک مشہور کتاب ہے جس کا نام قرآن ہے۔ اِس کتاب کو خدا نے اپنے آخری نبی پر اُتارا جس کا نام مُحمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ یہ نبی عرب کے رہنے والے تھے ان کی وفات کو تیرہ سو سال ہو چکے ہیں۔ اِس کتاب میں لکھا ہے کہ زمین خُدا کی ملکیّت ہے۔ اب اگر آپ چاہیں تو مَیں درخواست خدا کے نام لکھ دُوں۔

اقبال پنجاب کے رہنے والے تھے اور پنجاب اپنی روایاتِ ماضیہ سے بھرا پڑا ہے۔ خاص لاہور میں قطب الدین ایبک کا مزار بھی ہے نُور الدین جہانگیر کا مقبرہ بھی ہے۔ انارکلی، زیبُ النّسا اور نور جہاں جیسی خواتین کی قبریں بھی ہیں مگر اقبال کی "عقابی نگاہ" ان میں سے کسی ایک پر بھی نہیں پر بھی نہیں پڑتی، وہ اگر ٹھہرتی ہے تو ایک صوبہ دار کی

بیٹی شرف النسا، پر۔ کیونکہ وہ "قرآن" کی شیدا اور "شمشیر" کی عاشق ہے۔ دیکھیے اِس کے اسوۂ حسنہ سے کس طرح اقتباسِ نور کرتے ہیں، کہتے ہیں :

آں مسلمانان کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

پادشاہی بود و سامانے نداشت
دستِ اُو جز تیغ و قرآنے نداشت

اقبال کی شاعری نہیں، بلکہ خود اقبال قرآن کا پیام تھے۔ وہ ساری دُنیا کے لیے قرآن کو دستور العمل سمجھتے تھے۔ مسلمانانِ عالم کو قرآنی مرکز پر مجتمع دیکھنا چاہتے تھے اور نوجوانوں کو قرآنی علم وعمل سے "شاہین بچہ" بنانا چاہتے تھے۔

مجھے معلوم ہُوا ہے کہ ڈاکٹر اقبال اپنی جو آخری تصنیف پیش کرنا چاہتے تھے وہ انگریزی زبان میں قرآنِ مجید کا کسی خاص نوعیت کا ترجمہ معہ حواشی وغیرہ تھا اور شاید دیباچہ لکھنا شروع بھی کر دیا تھا۔

بہرحال اِس بات کے تسلیم کرنے میں کسی کو بھی تامل نہ ہوگا، کہ اِقبال کی شاعری اور ان کے پیام کی بنیاد زیادہ تر قرآن پر ہے۔ اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ ایک "جدید تفسیر" کی طرف اُنہوں نے اشارے کر دیے ہیں۔ بلکہ بنیاد رکھ دی ہے۔ اب جس کا جی چاہے اس پر عالیشان محل تیار کرلے۔

اقبالؒ بحیثیت ایک شاعر کے

بے شک اقبالؒ منظرِ عام پر بحیثیت ایک شاعر ہی کے جلوہ گر ہوئے لیکن بہت جلد اُن کی شاعری نے ایک پیام کا ہیولیٰ اختیار کر لیا اور پھر اخیر دم تک وہ ایک پیام رساں ہی رہے۔

اقبالؒ کی نثر، نظم، فلسفہ، تصوف اور قومیات جو کچھ بھی ہے اس پر قرآن کا پرتو پڑا ہے اور اس کا بیشتر حصہ قرآنی ہے۔

اقبال کا شاعری سے مقصد قرآن تھا۔ وہ اِس بات سے بیزار ہیں کہ ان کے قرآنی مقصد کو فراموش کر دیا جائے اور انہیں نرا شاعروں کی صف میں لا کھڑا کیا جائے۔ خواہ یہ حیثیت ملک الشعراء کی ہی کیوں نہ ہو۔

اقبالؒ دیکھ چکے تھے کہ غالب پرستی ہو رہی ہے۔ کہیں اقبال پرستی بھی شروع نہ ہو جائے۔ لیکن ہوا وہی جس کا ڈر تھا اور صاف

ظاہر ہے کہ ان کی حیات ہی میں یہ "سانحہ" رُونما ہُوا۔ چنانچہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ سے اپنی کبیدگی کا یوں اظہار کرتے ہیں :

بہ افسونگی بتاں خود را سپُردی
چہ نامردانہ در بُت خانہ مُردی

خِرد بیگانۂ دل سینہ بے سوز
کہ از تاکِ نیاگاں مے نخوردی

وہ جو کچھ چاہتے ہیں یہ ہے :

دگر آئینِ تسلیم و رضا گیر
طریقِ صدق و اخلاص و وفا گیر

گر شعرم چنیں است و چناں است
جنونِ زیرکی از من فرا گیر

مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقبال سب کچھ معاف کر سکتے ہیں لیکن اس کو کبھی نہیں معاف کر سکتے کہ اُن کے پیام پر عمل نہ کیا جائے اور اُن کی شاعری کے تذکرے ہوتے رہیں اور اِس کے متعلق مُوشگافیاں کی جائیں۔ چنانچہ وہ سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض رساں ہیں:

تو گفتی از حیاتِ جاوداں گوئے
بگوشِ مُردۂ پیغامِ جاں گوئے

ولے گویند ایں ناحق شناساں
کہ تاریخِ وفاتِ این و آں گوئے

دُنیا میں ایسے واقعات کی کمی نہیں جو آج اِنتہائی حیرت و استعجاب کا باعِث بنے ہوئے ہیں۔ خُدا کو مان کر بھی لوگ نہیں مانتے۔ اس کی موجُودگی میں مٹی، پتھر کے بتوں کی پرستش کرتے اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ ساری دُنیا کے کُتب خانے کھنگالتے پھرتے ہیں لیکن قرآن کا حق ادا نہیں کرتے اور قرآن کی طرف نہیں آتے۔ گوتم بُدھ نے بُت پرستی کے خلاف عَلمِ جہاد بلند کیا تھا، اور آج خود اس کے ہزاروں مجسّمے نظر آتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ نے انتہائی نرمی اور محبّت کی تعلیم دی تھی مگر اُن کی اُمّت نے جس قدر خُون ریزیاں کیں اور قساوتِ قلبی کے سامان فراہم کیے۔ پچھلی تاریخ کے صفحات اس سے یکسر خالی نہیں۔ لہٰذا اگر اقبال کے معتقدین انہیں کی تعلیمات کا نام لے کر انہیں کے مقصد کے خِلاف کریں تو تعجب کا مقام نہیں لیکن افسوس اور ندامت کا مقام ضرور ہے۔

آج مشکل سے احباب کا کوئی ایسا اجتماع ہوتا ہوگا جس میں کسی نہ کِسی طرح اقبال کا ذکر نہ آتا ہو مگر ان لوگوں سے کون کہے کہ آخر وہ آپ ہی تو ہیں جو سراسر اقبال کی تعلیمات کے خلاف قدم اُٹھا رہے ہیں اور سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ گویا وہ کوئی دوسرے لوگ ہیں جن سے اقبال کو شکایت ہے۔ فَیَا لِلْعَجَب!

شاعری سے جو اقبال کا مقصود ہے اس کو ایک شاعر ہی نے یوں ادا کیا ہے:

کہا اقبال سے اِک ہم نشیں نے
سخن تیرا شرابِ آتشیں ہے
کچھ اِس انداز سے گرما دیئے دل
کہ اب تسکین ممکن ہی نہیں ہے
حرارت ہے ترے سوزِ نوا کی
کہ بجلی سی دلوں میں جاگزیں ہے
کلامِ شاعرانِ پروردۂ عصر
مگر تیرا سخن عصر آفریں ہے
اثر میں ہے یہ صورِ محشر انگیز
کشش میں نغمۂ خلدِ بریں ہے
بدل ڈالا مذاق اس نے ہمارا
دِل اب طرزِ کہن پر نکتہ چیں ہے
ترے اشعار پڑھ کر اب نظر میں
کسی کی شاعری جچتی نہیں ہے
یہ سُن کر حضرتِ اقبالؔ بولے
فقط لُطفِ سخن کافی نہیں ہے
زمینِ شعر ہی میں گمُ نہ ہو جا
فلک وہ ڈھونڈ جس کی یہ زمیں ہے

مرے فکرِ فلک پیما کی پرواز
ادب پروردۂ روح الامیںؑ ہے
فروغِ عشق و سوزِ آرزو سے
سخن میرا تب و تاب آفریں ہے
مگر میرے سخن کی روشنی بھی
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے
تری نظروں میں ہیں میری تصانیف
مری نظروں میں قرآنِ مبیں ہے
گزر جا تُو مری بزمِ سخن سے
رہِ قرآں میں گامِ اولیں ہے
جو تُو اِس طرح قرآں تک پہنچ جائے
تو حاصل دولتِ دُنیا و دیں ہے
محیطِ کائناتِ دل ہے قرآن
نظر کی آخری منزل ہے قرآن

بہرحال اِقبال باوجود زمانۂ حال کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے مذہب کی تصدیق کرنے والوں میں تھے اور بے شک اُن کو اس جماعت کی امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔ اِس لیے اگر یہ جماعت "قرآنی" نہیں بنی اور "خدائی راج" کا قیام اِس کا مقصدِ زندگی نہیں ہوا تو سبب دریافت کرنا چاہیے، اس کمی کو پُورا کرنا چاہیے اور مقتضا۔

ہی کے مشورے پر عمل کرنا چاہیے یعنی ؎

نوا را تیز تر میزن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تلخ تر میخواں چو محمل را گراں بینی

ابو محمد مصلح

حصهٔ نثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ

ڈاکٹر اقبال کے معرکۃ الآرا خُطبات ایک شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں فلسفہ و علمِ کلام کے اہم مسائل سے بحث کی گئی ہے اور عصرِ حاضر کی بے ربط و منتشر زندگی میں حقائق زندگی کو اسلام کے صحیح معیار کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ ایک جرمن فاضل کی رائے ہے کہ :

"تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ عصرِ نو کا سب سے زیادہ تعجب خیز مظہر ہے۔"

اس کتاب کی خصوصیات کا تعلق اِسلام، فلسفہ اور مذہب سے ہے اور غالباً یہ پہلا نظام ہے جو خالصۃً قرآنِ پاک کے فلسفۂ الٰہیات کے مطابق ہے۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ اِقبال نے محسوسات و مدرکاتِ اِنسانی کی جہاں تصریح کی ہے۔ قرآنِ مجید ہی کی پاکیزہ تعلیم کی اتباع میں کی

ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :

" ہمارے ذہن اور خارجی محسوسات مسلسل ایک ہی حقیقت کے مختلف آیات ہیں جو اوّل و آخر بھی ہے اور ظاہر و باطن بھی۔"

یہ **هُوَ الْاَوَّلُ، هُوَ الْاٰخِرُ ، هُوَ الظَّاهِرُ، هُوَ الْبَاطِنُ** سے کیسا اچھا اقتباسِ نور ہے۔

ایک دوسری جگہ الٰہیاتِ اسلامیہ پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :

" علمائے اسلام نے قرآنِ پاک کا مطالعہ بھی فلسفۂ یونان ہی کی روشنی میں کیا مگر یہ بات کہ تعلیماتِ قرآن کی رُوح یونانیت کے سرتاسر خلاف ہے۔ اُن کو کہیں دو سو سال کے بعد معلوم ہوئی وہ بھی پورے طور پر نہیں۔ الغرض اسی انکشاف کا نتیجہ تھا کہ فلسفۂ یونان کے خلاف ردِ عمل شروع ہوا۔ جس کی اہمیت کا اندازہ آج تک نہ ہو سکا۔ یہ کچھ اس بغاوت اور کچھ غزالی کے ذاتی حالات کا تقاضا تھا کہ امام موصوف نے مذہب کی بنا فلسفیانہ تشکیل پر رکھی۔ حالانکہ اُن کا یہ خیال کلیتہً قرآنِ پاک کی تعلیمات کے نہ تو مطابق ہے اور نہ اس کو مذہب کی کوئی مضبوط اور پائیدار اساس قرار دینا ممکن ہے۔"

اسرارِ خودی کے متعلق

ڈاکٹر نکلسن کے نام ایک خط

"اسرارِ خودی" کا ترجمہ انگریزی زبان میں ڈاکٹر نکلسن نے کیا ہے۔ ڈاکٹر
[اقب]ال اُن کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میرا دعویٰ ہے کہ "اسرار" کا فلسفہ مسلمان صوفیا۔
اور حکماء کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے اور تو اور
وقت کے متعلق برگساں کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کے لیے
کوئی نئی چیز نہیں۔ قرآن الٰہیات کی کتاب نہیں بلکہ اس میں
انسان کے معاش و معاد کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے پوری
قطعیت سے کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا تعلق الٰہیات
ہی کے مسائل سے ہے۔

عصرِ نَو کا ایک مسلمان اہلِ علم جب ان مسائل کو جن کا

مبدأ اور سرچشمہ قرآن ہے۔ مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جارہا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قدیم حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے

بدقسمتی سے اہلِ مغرب اسلامی فلسفے کی تعلیم سے ناآشنائے محض ہیں۔ اے کاش! مجھے اِس قدر فرصت ہوتی کہ میں اِس موضوع پر ایک مبسُوط کتاب لکھ کر مغربی فلسفیوں کو اِس حقیقت سے رُوشناس کر دیتا کہ دُنیا کی مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے کس قدر ملتے جُلتے ہیں۔"

پیامِ مشرق کا دیباچہ

"پیامِ مشرق" جو شاعرِ المانوی گوئٹے کے دیوان کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اقبال اس کے دیباچہ میں اپنا خیال یُوں ظاہر کرتے ہیں:

"مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے مگر اقوامِ مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زِندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کرسکتی جب تک کہ پہلے اُس کی اندرونی گہرائیوں میں اِنقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دُنیا خارجی وجود اختیار نہیں کرسکتی جب تک کہ اس کا وجُود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکّل نہ ہو۔

فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ

کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنی فارسی تصانیف میں اِس صداقت کو پیشِ نظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔"

ختمِ نبوّت اور قادیانیّت

"ختمِ نبوت اور قادیانیت" ڈاکٹر اقبال کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے
پنڈت جواہر لال نہرو کے "شاطرانہ" مغالطوں کو دُور کرنے کے لیے
لکھا گیا ہے۔ یہ قادیانیت پر ایک ضربِ کاری ہے۔

(۱)

قادیانیت کی رُوح پر غور کرنے کے سلسلے میں اقبال کہتے ہیں،
"مولوی منظور الٰہی نے بانی احمدیت کے الہامات کا
جو مجموعہ شائع کیا ہے۔ اس میں نفسیاتی تحقیق کے لیے متنوع
اور مختلف مواد موجود ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب بانیٔ احمدیت
کی سیرت اور شخصیت کی کُنجی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ کسی
دن نفسیاتِ جدید کا کوئی متعلم اس کا سنجیدگی سے مطالعہ
کرے گا اگر وہ قرآن کو اپنا معیار قرار دے اور چند وجوہ

سے اس کو ایسا ہی کرنا پڑے گا جن کی تشریح یہاں نہیں کی جا سکتی) اور اپنے مطالعہ کو بانیٔ احمدیت اور اُس کے ہم عصر غیر مسلم صوفیاء جیسے رام کرشنا بنگالی کے تجربوں تک پھیلائے تو اس کو اس تجربہ کی اصل ماہیت کے متعلق بڑی حیرت ہو گی، جس کی بنا پر بانیٔ احمدیت نبوت کا دعویدار ہے۔"

(۲)

"کیا اسلام میں خلافت کا تصوّر ایک مذہبی ادارے کو مستلزم ہے؟ مُسلمانانِ ہند اور وہ مُسلمان جو ترکی سلطنت سے باہر ہیں۔ ترکی خلافت سے کیا تعلق رکھتے ہیں؟ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالسلام؟ اسلام میں نظریۂ جہاد کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ قرآن کی ایک آیت میں لفظ "تم میں سے"[1] کے کیا معنی ہیں؟ خُدا، رسُول اور اولی الامر کی اطاعت کا کیا مفہوم ہے؟ احادیث سے آمدِ مہدی کی جو پیشین گوئی کی جاتی ہے اُس کی نوعیت کیا ہے؟ یہ اور اسی قسم کے دوسرے سوالات جو بعد میں پیدا ہُوئے اُن کا تعلق بداہتہً صرف مسلمانانِ ہند سے تھا۔ اس کے علاوہ مغربی شہنشاہیت کو بھی جو اس وقت اسلامی دُنیا میں سُرعت کے ساتھ تسلط حاصل کر رہی تھی اِن سوالات سے گہری

---

[1] وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔

دل چسپی تھی ۔ اِن سوالات سے جو مناقشات پیدا ہوئے وُہ اِسلامی ہند کی تاریخ کا ایک باب ہیں ۔ یہ حکایت دراز ہے اور ایک طاقتور قلم کی مُنتظر ۔"

(۳)

"مُسلمان اربابِ سیاست جن کی آنکھیں واقعات پر جمی ہُوئی تھیں ۔ عُلماء کے ایک طبقہ کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ دینیاتی استدلال کا ایسا طریقہ اختیار کریں جو صُورتِ حال کے مناسب ہو لیکن محض منطق سے ایسے عقائد پر فتح پانا آسان نہ تھا جو صدیوں سے مسلمانانِ ہند کے قلوب پر حکمران تھے ۔ ایسے حالات میں منطق یا تو سیاسی مصلحت کی بنیاد پر آگے بڑھ سکتی ہے یا قرآن و حدیث کی نئی تفسیر کے ذریعہ ——— ہر دو صورتوں میں استدلال عوام کو متاثر کرنے سے قاصر رہتا ہے ۔ مُسلمان عوام کو جن میں مذہبی جذبہ بہت شدید ہے صرف ایک ہی چیز قطعی طور پر متاثر کر سکتی ہے اور وہ ربانی سند ہے"

(۴)

"اِسلام کی رُوح مادے کے قُرب سے نہیں ڈرتی ۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ "تمہارا دُنیا میں جو حصّہ ہے اس کو نہ بھُولو" ایک غیر مُسلم کے لیے اس کا سمجھنا دشوار ہے ۔"

(۵)

"قرآن کا ترکی زبان میں پڑھا جانا تاریخِ اسلام میں

کوئی نئی بات نہیں ۔ اس کی چند مثالیں موجود ہیں ۔ ذاتی طور پر میں اس کو فکر و نظر کی ایک سنگین غلطی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ عربی زبان و ادب کا متعلّم اچھی طرح جانتا ہے کہ غیر عربی زبانوں میں کسی زبان کا مستقبل ہے تو وہ عربی ہے۔ بہر حال اب اطلاعیں آرہی ہیں کہ ترکوں نے ملکی زبان میں قرآن کا پڑھنا ترک کر دیا ہے۔"

(۶)

"تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے معاشری اصلاح کو زیادہ تر اس امر پر مبنی رکھا کہ بتدریج نسلی عصبیت کو مٹایا جائے اور ایسا راستہ اختیار کیا جائے جہاں تصادم کا کم سے کم امکان ہو۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ :

ہم نے تم کو قبائل میں اس لیے پیدا کیا ہے کہ تم پہچانے جاسکو، لیکن تم میں سے وہی شخص خدا کی نظر میں بہترین ہے جس کی زندگی پاک ہے ــــــ "

(۷)

"اس سیدھے سادے مذہب کی تعقلی ہیئت ترکیبی رفتارِ زمانہ سے ایک تعلق رکھتی ہے ۔ اس تعلق کی گہرائی قرآن کی چند آیتوں کی روشنی میں سمجھ میں آسکتی ہے۔"

حصّۂ نظم

اسرارِ خودی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اقبالؔ کا قلب عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آشنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا خیال ذہن میں آیا اور آنکھیں گوہرِ اشک نثار کرنے لگیں۔ ذکرِ حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھتے وقت قلم رقص کرنے لگتا ہے تو رُوح وجد میں آجاتی ہے۔ تاجدارِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدح و ثنا کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات یا اُمّ الکتاب کی تفسیر اِس طرح پیش کی جاتی ہے کہ تابع سے متبوع کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے —— دیکھیے لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ کے انمول جواہر کو محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کس قدر ڈوب کر خاتمِ نظم میں مُرصّع کرتے ہیں:

در دلِ مُسلم مقامِ مُصطفیٰؐ است

آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است

طورِ موجے از غبارِ خانہ اش
کعبہ را بیتُ الحرم کاشانہ اش

کمتر از آنے ز اوقاتش ابد
کاسبِ افزایش از ذاتش ابد

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تاجِ کسریٰ زیرِ پائے اُمتش

در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

ماند شبہا چشمِ او محرومِ نوم
تا بہ تختِ خسروی خوابید قوم

وقتِ ہیجا تیغِ او آہن گداز
دیدۂ او اشکبار اندر نماز

در دعائے نصرت آمیں تیغِ او
قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغِ او

در جہاں آئینِ نو آغاز کرد
مسندِ اقوامِ پیشیں در نورد

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد

ہمچو او بطنِ امِ گیتی نزاد
در نگاہِ او یکے بالا و پست

با غلامِ خویش بر یک خواں نشست
در مصافے پیشِ آں گردوں سریر

دخترِ سردارِ طے آمد اسیر
پائے در زنجیر و ھم بے پردہ بود

گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دخترک را چوں نبیؐ بے پردہ دید

چادرِ خود پیشِ روئے او کشید
ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم

پیشِ اقوامِ جہاں بے چادریم
روزِ محشر اعتبارِ ماست او

در جہاں ھم پردہ دارِ ماست او
لطف و قہرِ او سراپا رحمتے

آں بیاراں ایں باعدا رحمتے
آنکہ بر اعدا درِ رحمت کشاد

مکہ را پیغامِ لَا تَثْرِیبَ داد

گئی ہُوئی خلافت کیونکر ہاتھ آ سکتی ہے۔ مسلمان خلیفۃ الارض کا کھویا ہُوا منصب پھر کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے صرف اُسوۂ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی رہنما بن سکتا ہے۔ دِل کے معتکس حرا میں خلوت گزینی اختیار کرنی چاہیے۔ ترکِ خُودی کے ساتھ ساتھ حق کی طرف ہجرت لازمی ہے۔ نیز ہوس کے لات وعزیٰ کو سرنگوں ہی نہیں بلکہ پاش پاش کرنا پڑے گا۔ کہتے ہیں ؎

لشکرے پیدا کُن از سُلطانِ عشق
جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق

اُوپر کی شرط پُوری ہو تو نتیجۂ مشروطِ ذیل کا حصُول یقینی ہے ؎

تا خدائے کعبہ بنوازد ترا
شرحِ اِنِّیْ جَاعِلٌ سازد ترا

انحطاط کا نام تہذیب نہیں ہے۔ اِس ضمن میں شیر و گوسفند کا قِصّہ بیان کیا گیا ہے اور قوم کَذَّابٌ اَشِرٌ اور یَوْمَ نَحْسٌ مُسْتَمِرٌ کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآنی جہاد پر کچھ گوسفند نما انسانوں نے اعتراض پیش کیے اور کچھ بزدلوں نے جو اپنے آپ کو قرآنِ مُبارک کا علمبردار سمجھتے تھے، لایعنی تاویلات سے کام لیا حتیٰ کہ حزب اللہ کے افراد جیسے شیر دِلوں کی جماعت کو

گوسفندی کا سبق دیا۔ انجام کار شیرِ بیدار میش کے افسونِ وعظ سے غفلت کی نیند سو گیا اور دینِ گوسفندی اختیار کر کے اپنے اِس انحطاط کو تہذیب سے تعبیر کرنے لگا۔ شیر و گوسفند کا یہ قصّہ مسلمانوں کے حالات کا آئینہ دار ہے جو ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

کی اچھی مثال ہے۔

گوسفندِ زیرک نے اپنی کمزور قوم کو شیرِ قوی سے بچانے کے لیے حیلے تراشے کیونکہ ؎

شیرِ نر را میش کردن ممکن است
غافلش از خویش کردن ممکن است

گوسفند اب ؎

صاحبِ آوازۂ الہام گشت
واعظِ شیرانِ خُوں آشام گشت

اور ؎

نعرہ زد اے قوم کذّابُ اَشِر
بے خبر از یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرّ

اِقبالؔ کے فلسفہ کے مطابق تربیتِ خُودی کے ساتھ تین مرحلے

ہیں۔ اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی۔

مرحلۂ اطاعت سے مراد پابندیٔ فرائض ہے۔ اس سلسلے میں اشتر کی مثال پیش کی گئی ہے اور کہا گیا ہے:

توہم از بارِ فرائض سرمتاب
برخوری از عِندَہُ حُسنُ المآب

مرحلۂ ضبطِ نفس کے لیے بھی قرآن ہی سے مثالیں لی گئی ہیں اور حضرت ابراہیم خلیلؑ اور حضرت اسمٰعیل ذبیحؑ کے اُسوۂ حسنہ کو پیش کیا گیا ہے۔ اور اسی سلسلے میں ارکانِ پنجگانہ کی فلسفی بیان کی گئی ہے۔ کہتے ہیں:

ہر کہ در اقلیم لا آباد شُد
فارغ از بندِ زن و اولاد شُد
می کند از ما سوٰے قطعِ نظر
می نہد ساطور بر حلقِ پسر

پھر نماز کا مرتبہ اور فوائد بیان کرتے ہیں:

لَا اِلٰہ باشد صدف، گوہر نماز
قلبِ مُسلم را حجِ اصغر نماز
در کفِ مُسلم مثالِ خنجر است
قاتِلِ فحشاءُ بغی و مُنکر است

اور روزہ کے لیے ہے ؎

روزہ بر جوع و عطش شب خوں زند
خیبرِ تن پروری را بشکند

اور حج :

مومناں را فطرت افروز است حج
ہجرت آموز و وطن سوز است حج
طاعتے سرمایۂ جمعیتے !
ربطِ اوراقِ کتابِ ملتے

زکوٰۃ کے فائدے یہ ہیں :

حُبِّ دولت را فنا سازد زکوٰۃ
ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل ز حتّٰی تُنْفِقُوْا محکم کند
زر فزاید، اُلفتِ زر کم کند
ایں ہمہ اسبابِ استحکامِ تُست
پختہ و محکم اگر اسلامِ تست
اہلِ قوت شو ز وردِ یا قوی
تا سوارِ اُشترِ خاکی شوی

نیابتِ الٰہی کیا چیز ہے، نائبِ حق کون ہوتا ہے اور کس طرح

ہوتا ہے اور پھر اس کا حاصل کیا کیا ہے :

گر شُتر بانی، جہانبانی کنی
زیبِ سر، تاجِ سلیمانی کنی

تا جہاں باشد، جہاں آرا شوی
تاجدارِ مُلکِ لایبلیٰ شوی

نائبِ حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمراں بُودن خوش است

نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است
ہستیَ او ظلِ اسمِ اعظم است

نوعِ انساں را "بشیر" و ہم "نذیر"
ہم سپاہی، ہم سپہ گر، ہم امیر

مدعائے عَلَّمَ الْاَسْمَاءَ ستی
سرِ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی ستی

خشک سازد ہیبتِ او نیل را
می برد از مصر اسرائیل را

مقصدِ حیاتِ مُسلم اعلائے کلمۃ اللہ اور اس کا واحد ذریعہ جہادِ فی سبیل اللہ ہے۔ مُسلمانوں کو اِسی رنگ میں رنگین ہونے کے لیے کہا جارہا ہے ؎

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموسِ نام و ننگ دہ

کیونکہ مُسلم ہے

خیمہ در میدانِ اِلّا اللہ زدست
در جہاں شاھد علی الناس آمدست

مردِ مُسلماں کا علم صرف سوزِ دل سے کمال کو پہنچتا ہے :

علمِ مُسلم کامل از سوزِ دل است
معنیٔ اسلام ترکِ آفل است
چُوں ز بندِ آفل ابراھیم رست
درمیانِ شُعلہ ہا نیکو نشست

قومِ مُسلم کو وحدتِ گم گشتہ کی طرف بازگشت کی دعوت دی جاتی ہے ۔

شُد پریشاں برگِ گُل چُوں بوئے خویش
اے زخود رم کردہ باز آ سوئے خویش
اے امینِ حکمتِ اُمّ الکتاب
وحدتِ گم گشتۂ خُود باز یاب

حرفِ اِقْرَاءْ حق بما تعلیم کرد
رزقِ خویش از دستِ ما تقسیم کرد

ذاتِ ما آئینۂ ذاتِ حق است
ہستیٔ مُسلم ز آیاتِ حق است

آیتے بنما، ز آیاتِ مُبیں
تا شود اَعناقِ اَعدا خاضِعیںؔ

ؔ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ط

رموزِ بیخودی

ملّتِ اسلامیہ کے ارکانِ اساسی کا رُکنِ اوّل توحید ہے،

ہم مُسلمان اولادِ خلیلؑ ہیں اور یہ سبق خلَف ہو کر انہیں سے لینا چاہیے، علامہ اقبالؒ اس رمز کو خود اچھی طرح سمجھے ہیں اور مسلمانوں کو بھی ابھی پھر اسی مرکز پر لانے اور اسی محور پر گردش کرنے کے لیے کہتے ہیں:

در جہانِ کیف و کم گردید عقل
پَے بہ منزل بُرد از توحید عقل
ورنہ ایں بے چارہ را منزل کجاست
کشتیٔ ادراک را ساحل کجاست
اہلِ حق را رمزِ توحید ازبر است
در اٰتِی الرَّحمٰن عبدًا مضمر است

ما مُسلمانیم و اولادِ خلیلؑ
از اَبِیکُمْ گیر اگر خواہی دلیل

توحید ہر مرض کی دوا ہے۔ یاس و حزن وغیرہ کا ازالہ بھی اسی سے ہوتا ہے۔ نا اُمیدی سامانِ مرگ ہے اور اُمید زِندگی ؎

مرگ را ساماں زقطعِ آرزوست
زندگانی محکم از لَاتَقْنَطُوْا ست

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر
از نبیؐ تعلیم لَاتَحْزَنْ بگیر

قوتِ ایماں حیات افزایدت
وِردِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ بایدت
چوں کلیمے سوئے فرعونے رود
قلبِ او از لَاتَخَفْ محکم شود

ملتِ اسلامیہ کا رُکنِ دوم **رسالت** ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

تارکِ آفل براہیمِ خلیل
انبیا را نقشِ پائے او دلیل

آں خدائے لَمْ یَزَلْ را آیتے
داشت در دل آرزوئے ملتے

جوئے اشک از چشم بیخوابش چکید
تا پیامِ طَہِّرَا بَیْتِیِ شنید

بہرِ ما ویرانۂ آباد کرد
طائفاں را خانۂ بنیاد کرد

تا نہال تُبْ عَلَیْنَا غنچہ بست
صورتِ کارِ بہارِ ما نشست

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید
وز رسالت در تنِ ما جاں دمید

حرفِ بے صوت اندریں عالم بُدیم
از رسالت مصرعِ موزوں شُدیم

از رسالت در جہاں تکوینِ ما
از رسالت دینِ ما آئینِ ما

از رسالت صد ہزارِ ما یک است
جزوِ او از جزوِ ما لاینفک است

آں کہ شانِ اوست یَہْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ
از رسالت حلقہ گردِ ما کشید

مقصودِ رسالتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مُرسلان و انبیا آبائے او
اَکرَم او نزدِ حق اتقائے او
کُلُّ مُؤمِنٍ اِخوَۃٌ اندر دلش
حریت سرمایۂ آب و گلش
ناشکیبِ امتیازات آمدہ
در نہادِ او مساوات آمدہ
ہمچو سرو آزاد فرزندانِ او
پختہ از قالوا بلیٰ پیمانِ او
سجدۂ حق گل بسیمائش زدہ
ماہ و انجم بوسہ برپایش زدہ

مساواتِ اسلامیہ کی مثال میں سلطان مُرادِ اور معمار کی حکایت آویزۂ گوش بنانے کے لائق ہے :

بود معمارے ز اقلیمِ خجند
در فنِ تعمیر نامِ او بلند
ساخت آں صنعت گرِ فرہاد زاد
مسجدے از حکمِ سلطانِ مراد
خوش نیامد شاہ را تعمیرِ او

خشمگیں گردید از تقصیرِ او
آتشِ سوزندہ از چشمش چکید
دستِ آں بیچارہ از خنجر برید
جُوئے خوں از ساعدِ معمار رفت
پیشِ قاضی ناتوان وزار رفت
آں ہنرمندے کہ دستش سنگ سفت
داستانِ جورِ سُلطاں باز گُفت
گفت اے پیغامِ حق گفتارِ تو
حفظِ آئینِ محمّد ﷺ کارِ تو
سفتہ گوشِ سطوتِ شاہاں نیم
قطع کُن از روئے قرآں دعویم
قاضیِ عادل بدنداں خستہ لب
کردشہ را در حضورِ خود طلب
رنگِ شہ از ہیبتِ قرآں پرید
پیشِ قاضی چُوں خطاکاراں رسید
از خجالت دیدہ برپا دوختہ
عارضِ او لالہ ہا اندوختہ
یک طرف فریادیِٔ دعوای گرے
یک طرف شاہنشہِ گردوں فرے

گفت شہ از کردہ خجلت بُردہ ام
اعتراف از جرمِ خود آوردہ ام

گفت قاضی فِی القِصَاص آمد حیوٰۃ
زندگی گیرد بایں سنت ثبات

عبدِ مسلم کمتر از احرار نیست
خونِ شہ رنگیں تر از معمار نیست

چوں مرادِ ایں آیۂ محکم شنید
دستِ خویش از آستیں بیروں کشید

مدعی را تابِ خاموشی نماند
آیۂ بِالعَدْلِ وَالاِحْسَان خواند

گفت از بہرِ خدا بخشیدمش
از برائے مصطفٰےؐ بخشیدمش

یافت مورے برسلیمانی ظفر
سطوتِ آئینِ پیغمبر نگر

پیشِ قرآں بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسندِ دیبا یکے است

"رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم" ایک مصرعہ نہیں ایک کتاب ہے
صرف حادثہ کربلا اور حریت اسلامیہ جسم و جان کی حیثیت رکھتے ہیں اور حق

...ا زندگی قوتِ شبیری سے ہی ممکن ہے :

آں شنیدستی کہ ہنگامِ نبرد
عشق با عقلِ ہوس پرور چہ کرد

آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؓ
سروِ آزادے ز بستانِ رسولؐ

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر

بہرِ آں شہزادۂ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلیںؐ نعم الجمل

سرخ رو عشقِ غیور از خونِ او
شوخیٔ ایں مصرع از مضمونِ او

درمیانِ امت آں کیواں جناب
ہمچو حرفِ قل ہو اللہ در کتاب

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؓ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

خاست آں سر جلوۂ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم

بر زمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خونِ او چمن ایجاد کرد

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے با چنیں ساماں سفر

دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد
دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

سرِّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

عزمِ او چوں کوہساراں استوار
پایدار و تند سیر و کامگار

تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس
مقصدِ او حفظِ آئین است و بس

ماسوی اللہ را مسلماں بندہ نیست

پیشِ فرعونے سرش افگندنیست

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

تیغِ لا چوں ازمیاں بیروں کشید
از رگِ اربابِ باطل خوں کشید

نقشِ اِلّا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

رمزِ قرآں از حُسینؓ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت
سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت

تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ اُو رساں

مُسلمانوں کی مغلوبیت سے فائدہ اُٹھا کر جہاں ان پر بیسیوں قسم کے
ے ہوتے وہاں ہجرت کے بارے میں بھی عصرِ نَو نے دھوکا کھایا ہے

بلا دھوکا دہی میں مبتلا ہُوا ہے۔ اقبالؔ ہر مُسلمان کو اس فریب سے ہوشیار رہنے کی تاکید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مُسلم کا دِل کسی خاص اقلیم کے حدود کا پابند نہیں اور واقعۂ ہجرت تو اصل میں عقدۂ قومیت کا حل بھی ہے:

مُسلم استی دل باقلیمے مبند
گم مشو اندر جہانِ چون و چند
می نگنجد مُسلم اندر مرز و بُوم
در دلِ اُو یاوہ گردد شام و رُوم
دل بدست آور کہ در پہنائے دل
می شود گُم ایں سرائے آب و گِل
عقدۂ قومیتِ مُسلم کشود
از وطن آقائے ما ہجرت نمود
حِکمتش یک ملّتِ گیتی نوردُ
بر اساسِ کلمۂ تعمیر کرد
تا زبخشش ہائے آں سلطانِ دیںؐ
مسجدِ ما شُد ہمہ روئے زمیں
آں کہ در قرآں خدا اورا ستُودؐ[1]
آں کہ حفظِ جان او موعود بُود

---

[1] وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط

دشمناں بے دست و پا از ہیبتش
لرزہ بر تن از شکوہِ فطرتش
پس چرا از مسکنِ آبا گریخت؟
تو گماں داری کہ از اعدا گریخت
قصہ گویاں حق ز ما پوشیدہ اند
معنیِ ہجرت غلط فہمیدہ اند
ہجرت آئینِ حیاتِ مُسلم است
ایں ز اسبابِ ثباتِ مُسلم است
معنیِ او از تنک آبی رم است
ترکِ شبنم بہرِ تسخیرِ یم است

چوں صبا بارِ قبول از دوشِ گیر
گلشن اندر حلقۂ آغوش گیر
از فریبِ عصرِ نو ہشیار باش
رہ فتد اے راہرو ہشیار باش

آج قوم و وطن کی تفریق نے آفت ڈھا رکھی ہے ۔ اقبالؒ سمجھاتے ہیں کہ وطن اساسِ ملت نہیں ہے ۔ اسلام کو اس سے دُور کا لگاؤ بھی نہیں۔ قرآن خدا کی کتاب ہے وہ اس کے برعکس تعلیم دیتی ہے ۔ وطن پرستی جس نے

سکھلائی وہ کتاب الملوک ہے اس کا مشہور مصنف میکیاولی فلارنس میں پیدا ہوا۔ اس کی یہ تصنیف بادشاہوں کے لیے محض اسی نظریے کی بنا پر شیطانی کتاب ثابت ہوئی۔ اس سے جو ان گنت خرابیاں پھیلیں ان میں سے چند یہ ہیں:

آں چناں قطعِ اخوت کردہ اند
بر وطن تعمیرِ ملت کردہ اند
تا وطن را شمعِ محفل ساختند
نوعِ انساں را قبائل ساختند
جنتے جستند در بِئسَ القَرار[1]
تا اَحَلُّوا قَومَهُم دارَ البَوار
ایں شجر جنت ز عالم بردہ است
تلخیِ پیکار بار آوردہ است
مردمی اندر جہاں افسانہ شد
آدمی از آدمی بیگانہ شد
روح از تن رفت و ہفت اندام ماند
آدمیت گم شد و اقوام ماند
تا سیاست مسندِ مذہب گرفت

---

[1] اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝

این شجر در گلشنِ مغرب گرفت
قصّهٔ دینِ مسیحائی فسرد
شعلهٔ شمعِ کلیسائی فسرد
اُسقف از بے طاقتی درماندهٔ
مهره ها از کف بروں افشاندهٔ
قومِ عیسےٰ بر کلیسا پا زده
نعتدِ آئینِ چلیپا را زده
دہریت چوں جامهٔ مذہب درید
مرسلے از حضرتِ شیطاں رسید
آں فلارنساوئ باطل پرست
سرمهٔ او دیدهٔ مردم شکست
نسخه بہرِ شہنشاہاں نوشت
در گلِ ما دانهٔ پیکار کشت
فطرتِ او سوئے ظلمت بُرده رخت
حق ز تیغِ خامهٔ او تخت لخت
بُت گری مانندِ آزر پیشه اش
بست نقشِ تازهٔ اندیشه اش
مملکت را دینِ او معبود ساخت
فکرِ او مذموم را محمود ساخت

بوسہ تا بر پاے ایں معبود زد
لعنتِ حق را بر عیارِ خود زد
باطن از تعلیمِ او پالیدہ است
حیلہ اندازی فنے گردیدہ است
طرحِ تدبیرِ زبوں فرجام ریخت
ایں خسک در جادۂ ایام ریخت
شب بچشمِ اہلِ عالم چیدہ است
مصلحت تزویر را نامیدہ است

ملت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوام وعدۂ الٰہی ہے۔ اس لیے یہ زمانی قیود کے ساتھ محدود نہیں:

مرگِ فرد از خشکیٔ رودِ حیات
مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات
گرچہ ملت ہم بمیرد مثلِ فرد
از اجل فرماں پذیرد مثلِ فرد
امتِ مسلم ز آیاتِ خداست
اصلش از ہنگامۂ قالوا بلیٰ ست
از اجل ایں قوم بے پرواستے
استوار از نحن نزلنا ستے

ے ۔ نہ حاشیہ (صفحہ ۸۱) ملاحظہ کیجیے۔

ذکر قائم از قیامِ ذاکر است

از دوامِ او دوامِ ذاکر است

تا خُدا اَنْ یُّطْفِئُوْا[1] فرمودہ است

از فسردن ایں چراغ آسودہ است

اُمّتے در حق پرستی کاملے

اُمّتے محبوبِ ہر صاحب دِلے

حق بروں آورد ایں تیغِ اصیل

از نیامِ آرزو ہائے خلیلؑ

تا صداقت زندہ گردد از دمش

غیرِ حق سوزد ز برقِ پیہمش

ما کہ توحیدِ خدا را حجّتیم

حافظِ رمزِ کتاب و حکمتیم

اُمّتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا آئینِ زندگی قرآن ہے اسلیے کہ نظامِ ملّت بغیر کسی آئین کے صُورت پذیر نہیں ہو سکتا۔ پھر جس قوم

حاشیہ صفحہ (۶۰) سے: لہ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ط تہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ہ

[1] يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

کا آئینِ زندگی قرآن جیسی اعلیٰ اور باقی کتاب ہو اس کی برتری اور اس کے دوام کا ثبوت بھی مہیا سمجھنا چاہیے۔ شرط یہ ہے کہ اس کا غلط اِستعمال نہ کیا جائے:

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست؟
زیرِ گردوں سِرِّ تمکینِ تو چیست؟
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرفِ اُو را رَیبؑ نے تبدیلؑ نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
پختہ تر سودائے خام از زورِ اُو
در فتد با سنگ جام از زورِ اُو
می برد پابند و آزاد آورد
صید بنداں را بفریاد آورد
نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ او رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡنَؑ

---

۱ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۲ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ
۳ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ

ارج می گیرد ازو نا ارجمند
بنده را از سجده سازد سربلند

رهزناں از حفظِ او رهبر شدند
از کتابے صاحبِ دفتر شدند

دشت پیمایاں زتابِ یک چراغ
صد تجلی از علوم اندر دماغ

آنکه دوشِ کوه بارش برنتافت
سطوتِ او زهرهٔ گردوں شکافت

بنگر آن سرمایهٔ آمالِ ما
گنجد اندر سینهٔ اطفالِ ما

آں جگر تابِ بیابانِ کم آب
چشمِ او احمر ز سوزِ آفتاب

خوشتر از آهو رمِ جمازه اش
گرم چوں آتش دمِ جمازه اش

رختِ خواب افگنده در زیرِ نخیل
صبحدم بیدار از بانگِ رحیل

دشت پیما از بام و در نا آشنا
هرزه گرد از حضر نا آشنا

تا دلش از گرمی قرآں تپید

موج بیتابش چو گوہر آرمید
خواند ز آیاتِ مبین او سبق
بندہ آمد خواجہ رفت از پیشِ حق
از جہانبانی نوازد سازِ او
مسندِ جم گشت پا اندازِ او
شہرہا از گردِ پایش ریختند
صد چمن از یک گلش انگیختند
اے گرفتارِ رسومِ ایمانِ تو
شیوہ ہائے کافری زندانِ تو
قطع کردی امرِ خود را در زُبُر[1]
جادہ پیمائی اِلیٰ شَیءٍ نُکُر[2]
گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن
صوفیِ پشمینہ پوشِ حال مست
از شرابِ نغمہ قوال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

---

[1] فَتَقَطَّعُوا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا [2] يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ

از کلاہ و بوریا تاج و سریر
فقرِ او از خانقاہاں باج گیر

واعظ دستاں زنِ افسانہ بند
معنیِ او پست و حرفِ او بلند

از خطیب و دیلمی[۱] گفتارِ او
با ضعیف و شاذ و مرسل[۲] کارِ او

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب

دورِ انحطاط میں اجتہاد سے بہتر **تقلید** ہے۔ ہر شخص دین کا مجتہد نہیں بن سکتا۔ اختلافات سے باز آنا چاہیے اور حقیقی معنوں میں صرف اسلامی آئین یعنی قرآنِ حکیم کو ہی اختیار کرنا چاہیے:

ذوقِ جعفرؒ کاوشِ رازیؒ نماند
آبروئے ملتِ تازی نماند
تنگ بر ما رہگذارِ دیں شد است
ہر لئیمے رازدارِ دیں شد است
اے کہ از اسرارِ دیں بیگانۂ

---

[۱] مشاہیر [۲] اقسامِ احادیث

با یک آئیں ساز اگر فرزانۂ

من شنیدستم ز نباضِ حیات

اختلاف تُست مقراضِ حیات

از یک آئینی مسلماں زندہ است

پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است

ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست

اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

چُوں گُہر در رشتۂ او سفتہ شو

ورنہ مانندِ غبار آشفتہ شو

قرآن ہی سب کچھ ہے قرآن ہی سے سب کچھ ہوا اور پھر قرآن سے ہی سب کچھ ہو سکتا ہے۔ قرآن کیا ہے خود قرآن سے پوچھو اور یاد رکھو کہ سیرتِ ملیہ کی پختگی **آئینِ الٰہیہ** یعنی قرآن سے وابستہ ہے۔

در شریعت معنیٔ دیگر مجو

غیرِ ضو در باطن گوہر مجو

ایں گہر را خود خدا گوہر گر است

ظاہرش گوہر بطونش گوہر است

ملت از آئین حق گیرد نظام
از نظامِ محکمے خیزد دوام
قدرت اندر علمِ او پیداستے
هم عصا و هم یدِ بیضاستے
اے کہ باشی حکمتِ دیں را امیں
با تو گویم نکتۂ شرعِ مبیں

سرِّ ایں فرمانِ حق دانی کہ چیست
زیستن اندر خطرہا زندگیست
شارعِ آئین شناسِ خوب و زشت
بہرِ تو ایں نسخۂ قدرت نوشت

خستہ باشی استوارت می کند
پختہ مثلِ کوہسارت می کند
ہست دینِ مصطفےٰ دینِ حیات
شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات
گر زمینی آسماں سازد ترا
آنچہ حق می خواہد آں سازد ترا
صیقلش آئینہ سازد سنگ را

از دلِ آہن ربایہ زنگ را

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ کا نصب العین حفظ و نشرِ توحید ہے۔ ظاہر ہے کہ پھر جو چیز نصب العین ہے وہ اسی درجہ لازمی اور ضروری بھی ہے۔ یہ نصب العین جس حد تک مستحکم ہو گا۔ امت کی بقا میں استحکام پایا جائے گا اور پھر یہی نصب العین ہے جس کے مستحکم ہونے سے جمیعتِ حقیقی کا حصول بھی ممکن ہے۔ اقبال اس ضمن میں دیکھیے کس سوز کے ساتھ دلربایانہ انداز میں قرآن کی تعلیم عام اور لازمی کرنے پر ابھارتے اور زور دیتے ہیں:

صد نوا داری چو خوں در تن رواں
خیز و مضرابے بہ تار او رساں
زانکہ در تکبیر رازِ بودِ تست
حفظ و نشرِ لا الہ مقصودِ تست
تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے
گر مسلمانی نیاسائی دمے
می ندانی آیۂ امّ الکتاب
امتِ عادل ترا آمد خطاب

ے وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

آب و تابِ چهرهٔ ایامِ تو
در جهان شاهد علی الاقوام تو

نکته سنجان را صلای عام ده
از علوم امّیی پیغام ده

امّیی پاک از هوٰی گفتارِ او
شرحِ رمزِ مَاغوٰی گفتارِ او

در جهان وابستهٔ دینش حیات
نیست ممکن جز بآئینش حیات

ای که می داری کتابش در بغل
تیز تر نه پا به میدانِ عمل

فکرِ انسان بُت پرستی بت گری
هر زمان در جُستجوی پیکری

باز طرحِ آذری انداخت است
تازه تر پروردگاری ساخت است

کاید از خون ریختن اندر طرب
نامِ او رنگ است و هم ملک و نسب

---

۱ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۲ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی

آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند
پیشِ پائے ایں بُتِ نا ارجمند
اے کہ خوردستی ز مینائے خلیل
گرمیٔ خونت ز صہبائے خلیل
بر سرِ ایں باطلِ حق پیرہن
تیغِ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُوْ بزن
جلوہ در تاریکیٔ ایام کُن
آنچہ بر تو کامل آمد عام کُن
لرزم از شرمِ تو چوں روزِ شمار
پُرسدت آں آبروئے روزگار
حرفِ حق از حضرتِ ما بردۂ
پس چرا با دیگراں نسپردۂ

علمِ اسمائے اعتبارِ آدم است
حکمتِ اشیاء حصارِ آدم است

اسلام میں عورت کا درجہ کیا ہے۔ قرآن نے مؤمنات و صالحات کا مرتبہ کتنا بلند کیا ہے اور کس پہلو کے ساتھ اِس آبگینہ کو ٹھیس لگنے سے بچایا ہے۔ وہ سطحی نگاہ والوں کو نظر نہیں آسکتا چونکہ نوع کی بقا

امومت سے ہے۔ اِس لیے قرآن نے اصل اِسلام حفظ و احترامِ امومت کو قرار دیا۔

پوشش عریانیٔ مرداں زن است
حسن دلجو عشق را پیراہن است

مسلمے کورا پرستارے شمرد
بہرہ از حکمتِ قرآں نبرد

گفت آں مقصود حرفِ کُن فکاں
زیرِ پائے امہات آمد جناں

قوم را سرمایہ اے صاحب نظر
نیست از نقد و قماش و سیم و زر
مالِ او فرزند ہائے تندرست
تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست
حافظِ رمزِ اخوت مادراں
قوتِ قرآن و ملت مادراں

عورت کا تعمیرِ ملت میں بڑا حصہ ہے اس لیے قرآن نے بھی خاص اعتنا برتی ہے۔ اہل بیت کی تطہیر ایک مبارک اشارہ ہے اور

بے شبہ جگر گوشۂ رسولؐ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ امہات اسلامیہ کے لیے اسوۂ کاملہ ہیں ۔ اگر اس کو پیشِ نظر رکھا جائے تو مستقبل کبھی تاریک نہ ہو کیونکہ آنے والی نسل حسینؓ کربلا کی اتباع میں ہر یزید وقت کیلیے پیامِ مرگ ثابت ہو :

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز

نورِ چشمِ رحمۃٌ للعالمیںؐ
آں امامِ اوّلین و آخریں

آں کہ جاں در پیکرِ گیتی دمید
روزگارِ تازہ آئیں آفرید

بانوے آں تاجدار ھَلۡ اَتیٰ
مرتضیٰ ، مشکل کشا ، شیرِ خدا

پادشاہ و کلبۂ ایوان او
یک حسام و یک زرہ سامانِ او

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم
حافظِ جمعیتِ خیر الامم

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں

پُشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں
واں دِگر مولائے ابرارِ جہاں
قوتِ بازوئے احرارِ جہاں
در نوائے زندگی سوز از حُسینؓ
اہلِ حق حریّت آموز از حسینؓ
سیرتِ فرزند ہا از اُمّہات
جوہرِ صدق و صفا از اُمّہات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
بہرِ محتاجے دِلش آں گونہ سوخت
با یہودی چادرِ خود را فروخت
نوری و ہم آتشی فرمانبرش
گم رضایش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گرداں و لب قرآں سرا

اقبالؒ کے کلام میں اگر کسی پُوری سورۃ کی **تفسیر** ہے تو وہ سورۂ **اخلاص**
لہٰذا اس کو معیار قرار دے کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر وہ
ے قرآن مجید کی تفسیر نظم میں پیش کرتے تو کیسی ہوتی۔ سورۂ اخلاص

اِس مثنوی کے مطالب کا خلاصہ بھی ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

من شبے صدیقؓ را دیدم بخواب
گُل ز خاکِ راہِ او چیدم بخواب
آں اَمَنّ النّاس بر مولائے ما
آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما
ہمتِ او کشتِ ملّت را چو ابر
ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر
گفتمش اے خاصۂ خاصانِ عشق
عشقِ تو سرِ مطلعِ دیوانِ عشق
پختہ از دستت اساسِ کارِ ما
چارۂ فرما پئے آزارِ ما
گفت تا کے در ہوس گیری اسیر
آب و تاب از سورۂ اخلاص گیر
اینکہ در صد سینہ پیچد یک نفس
سرّے از اسرارِ توحید است و بس
رنگِ او بر کن مثالِ او شوی
در جہاں عکسِ جمالِ او شوی

آنکہ نامِ تو مسلماں کردہ است
از دوئی سوئے یکے آوردہ است
خویشتن را ترک و افغاں خواندۂ
وائے بر تو آنچہ بودی ماندۂ
وارہاں نامیدہ را از نامہا
ساز با خُم در گذر از جامہا
اے کہ تو رسوائے نام افتادۂ
از درختِ خویش خام افتادۂ
با یکی ساز از دوئی بردار رخت
وحدتِ خود را مگرداں لخت لخت
اے پرستارِ یکے گر تو توئی
تا کجا باشی سبق خوانِ دوئی
تو درِ خود را بخود پوشیدۂ
در دل آور آنچہ برلب چیدۂ
صد ملل از ملتے انگیختی
بر حصارِ خود شبیخوں ریختی
یک شو و توحید را مشہود کن
غائبش را از عمل موجود کن
لذتِ ایماں فزاید در عمل

مُردہ آں ایماں کہ نایہ در عمل

اَللّٰہُ الصَّمَدُ

گر بہ اَللّٰہُ الصَّمَد دل بستۂ
از حدِ اسباب بیروں جستۂ
بندۂ حق بندۂ اسباب نیست
زندگانی گردشِ دولاب نیست
مُسلم استی بے نیاز از غیر شو
اہلِ عالم را سراپا خیر شو
پیشِ منعم شکوۂ گردوں مکن
دستِ خویش از آستیں بیروں مکن
چُوں علیؓ در ساز بانانِ شعیر
گردنِ مرحب شکن، خیبر بگیر
منّت از اہلِ کرم بردن چرا
نشترِ لا و نعم خوردن چرا
رزقِ خود را از کفِ دوناں مگیر
یوسف استی خویش را ارزاں مگیر
گرچہ باشی مور و ہم بے بال و پَر
حاجتے پیشِ سلیمانے مبر

راه دشوار است سامان کم بگیر
در جهان آزاد زی آزاد میر

سبحهٔ اَقْلِلْ مِنَ الدُّنْیَا شمار
از تَعِشْ حُرًّا شوی سرمایه دار

تا توانی کیمیا شو گِل مشو
در جهان منعم شو و سائل مشو

اے شناسائے مقامِ بوعلیؒ
جرعهٔ آرم ز جامِ بوعلیؒ

"پشت پا زن تختِ کیکاؤس را
سر بده از کف مده ناموس را"

خود بخود گردد درِ میخانه باز
بر تهی پیمانگانِ بے نیاز

قائدِ اسلامیان هارون رشید
آنکه نقفور آبِ تیغِ او چشید

گفت مالکؒ را که اے مولائے قوم
روشن از خاکِ درت سیمائے قوم

اے نوا پرداز گلزارِ حدیث
از تو خواهم درسِ اسرارِ حدیث

لعل تا کے پرده بند اندر یمن

خیز و در دار الخلافت خیمه زن

ای خوشا تابانیٔ روز عراق

ای خوشا حسنِ نظر سوزِ عراق

می چکد آبِ خضر از تاکِ او

مرهمِ زخمِ مسیحا خاکِ او

گفت مالکؒ مصطفیٰؐ را چاکرم

نیست جز سودای او اندر سرم

من که باشم بستهٔ فتراکِ او

بر نخیزم از حریمِ پاکِ او

زنده از تقبیلِ خاکِ یثربم

خوش تر از روزِ عراق آمد شبم

عشق می گوید که فرمانم پذیر

پادشاهان را بخدمت هم مگیر

تو همی خواهی مرا آقا شوی

بندهٔ آزاد را مولا شوی

بهرِ تعلیمِ تو آیم بر درت

خادمِ ملت نه گردد چاکرت

بهرهٔ خواهی اگر از علمِ دین

در میانِ حلقهٔ درسم نشین

بے نیازی نازہا دارد بسے
نازِ اُو اندازہا دارد بسے
بے نیازی رنگِ حق پوشیدن است
رنگِ غیر از پیرہن شوئیدن است
علمِ غیر آموختی اندوختی
روئے خویش از غازہ اش افروختی
ارجمندی از شعارش می بری
من ندانم تو توئی یا دیگری
از نمش خاکِ تو خاموش گشت
وز گل و ریحاں تہی آغوش گشت
کشتِ خود از دستِ خود ویراں مکن
از سحابش گدیۂ باراں مکن
عقلِ تو زنجیریٔ افکارِ غیر
در گلوے تو نفس از تارِ غیر
بر زبانت گفتگو ہا مستعار
در دلِ تو آرزو ہا مستعار
قمریانت را نوا ہا خواستہ
سرو ہایت را قبا ہا خواستہ
بادہ می گیری بجام از دیگراں

جام ہم گیری بوام از دیگراں
آں نگاہش سرِ مَازَاغَ الْبَصَرَ
سوئے قومِ خویش باز آید اگر
می شناسد شمعِ اُو پروانہ را
نیک داند خویش و ہم بیگانہ را
لَسْتَ مِنِّیْ گویدت مولائے ما
وائے ما اے وائے ما اے وائے ما
زندگانی مثلِ انجم تا کجا
ہستیٔ خود در سحر گم تا کجا
ریوے از صُبح دروغے خوردۂ
رخت از پہنائے گردوں بردۂ
آفتاب استی یکے در خود نگر
از نجومِ دیگراں تابے مخر
بر دلِ خود نقش غیر انداختی
خاک بُردی کیمیا در باختی
تا کُجا رخشی ز تابِ دیگراں
سر سبک ساز از شرابِ دیگراں
تا کجا طوفِ چراغِ محفلے
ز آتشِ خود سوز اگر داری دلے

چوں نظر در پردہ ہائے خویش باش
می پروا تا بجائے خویش باش
در جہاں مثلِ حباب اے ہوشمند
راہِ خلوت خانہ بر اغیار بند
فردِ فرد آمد کہ خود را وا شناخت
قوم قوم آمد کہ جز با خود نساخت
از پیامِ مصطفیٰؐ آگاہ شو
فارغ از اربابِ دون اللہ شو

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝

قومِ تو از رنگ و خوں بالاتر است
قیمتِ یک اسودش صد احمر است
قطرۂ آبِ وضوئے قنبرے
در بہا برتر ز خونِ قیصرے
فارغ از اب و اُم و اعمام باش
ہمچو سلماں زادۂ اسلام باش
نکتۂ اے ہمدمِ فرزانہ بیں
شہد را در خانہ ہائے لانہ بیں
قطرۂ از لالۂ حمراستے

قطعہ از نرگسِ شہلا ستے

این نمی گوید کہ من از عبہرم
آن نمی گوید کہ من از نیلوفرم

ملتِ ما شانِ ابراہیمی است
شہدِ ما ایمانِ ابراہیمی است

گر نسب را جزوِ ملت کردۂ
رخنہ در کارِ اخوت کردۂ

در زمینِ ما نگیرد ریشہ ات
ہست نا مُسلم ہنوز اندیشہ ات

ابنِ مسعودؓ آن چراغِ افروزِ عشق
جسم و جانِ او سراپا سوزِ عشق

سوخت از مرگِ برادر سینہ اش
آب گردید از گداز آئینہ اش

گریہ ہائے خویش را پایاں ندید
در غمش چوں مادراں شیون کشید

"اے دریغا آں سبق خوانِ نیاز
یارِ من اندر دبستانِ نیاز"

"آہ آں سروِ سہی بالائے من
در رہِ عشقِ نبیؐ ہم پائے من"

"حیف او محرومِ دربارِ نبیؑ
چشمِ من روشن ز دیدارِ نبیؐ"

نیست از رُوم و عرب پیوندِ ما
نیست پابندِ نسب پیوندِ ما

دل به محبُوبِ حجازی بسته ایم
زین جهت با یک دگر پیوسته ایم

رشتهٔ ما یک تولّایش بس است
چشمِ ما را کیفِ صهبایش بس است

مستیٔ اُو تا بخونِ ما دوید
کهنه را آتش زد و نو آفرید

عشقِ اُو سرمایهٔ جمعیت است
همچو خُوں اندر عروقِ ملّت است

عشق در جان و نسب در پیکر است
رشتهٔ عشق از نسب محکم تر است

عشق ورزی از نسب باید گذشت
هم ز ایران و عرب باید گذشت

اُمّتِ او مثلِ او نورِ حق است
هستیٔ ما از وجُودش مشتق است

"نورِ حق را کس نجوید زاد و بُود

خلعتِ حق را چہ حاجت تار و پود

ہر کہ پا در بندِ اقلیم و جد است

بے خبر از لَمْ یَلِدْ لَمْ یُوْلَدْ است

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

مُسلمِ چشم از جہاں بربستہ چیست؟

فطرتِ ایں دل بحق پیوستہ چیست؟

لالہ کو بر سرِ کوہے دمید

گوشۂ دامانِ گلچینے ندید

آتشِ او شعلۂ گیرد بہ بر

از نفس ہائے نخستینِ سحر

آسماں ز آغوشِ خود نگذاردش

کوکبِ وا ماندۂ پنداردش

بوسدش اوّل شعاعِ آفتاب

شبنم از چشمش بشوید گردِ خواب

رشتہ با لَمْ یَکُنْ باید قوی

تا تو در اقوام بے ہمتا شوی

آنکہ ذاتش واحد است و لاشریک

بندہ اش ہم در نسازد با شریک

مومن بالائے ہر بالا ترے
غیرتِ او بر نتابد ہمسرے

خرقۂ لَا تَحْزَنُوْا اندر برش
اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ تاجے بر سرش

می کشد بارِ دو عالم دوشِ او
بحر و بر پروردۂ آغوشِ او

بر غوِ تندر بدام افگندہ گوش
برق اگر ریزد ہمی گیرد بدوش

پیشِ باطل تیغ و پیشِ حق سپر
امر و نہیِ اُو عیارِ خیر و شر

در گرہ صد شعلہ دارد اخگرش
زندگی گیرد کمال از جوہرش

در فضائے این جہانِ ہاے و ہو
نغمہ پیدا نیست جز تکبیرِ اُو

عفو و عدل و بذل و احسانش عظیم
ہم بقہر اندر مزاجِ او کریم

سازِ اُو در بزم ہا خاطر نواز
سوزِ او در رزم ہا آہن گداز

در گلستان با عنادل ہم صفیر

در بیاباں جُرّہ بازِ صید گیر
زیرِ گُردوں می نیا سایہ دِشش
بر فلک گیرد قرار آب و گِلش
طائرش منقار بر اختر زند
آن سوے ایں کُہنہ چنبر پر زند
تُو بہ پروازے پرے نکشودۂ
کرمک استی زیرِ خاک آسودۂ
خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شُدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

تا کجا در خاک می گیری وطن
رخت برداروسرِ گردوں فگن

اِس مثنوی کے خاتمہ پر مصنّف نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں عرضِ حال کیا ہے اور اپنے پُر درد نالوں میں ظاہر کیا ہے کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے قرآن سے کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کو قوم "قرآن کا پیامی سمجھے نہ کہ شاعر"۔ کاش! اتباع. اقبال کرنیوالے

اس کی لاج رکھیں :

مُردہ بُود از آبِ حیواں گفتمش
سِرّے از اسرارِ قرآں گفتمش

گر دِلم آئینۂ بے جوہر است
در بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
اے فروغت صبحِ اعصار و دہور
چشمِ تو بینندۂ مَا فِی الصُّدُوْر
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کُن
ایں خیاباں راز خارم پاک کُن
تنگ کُن رختِ حیات اندر برم
اہلِ ملّت را نگہدار از شرم
سبز کشتِ نابسامانم مکُن
بہرہ گیر از ابرِ نیسانم مکُن
خشک گرداں بادہ در انگورِ من
زہر ریزد اندر مے کافورِ من
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کُن مرا

گر دُرِ اسرارِ قرآں سُفتہ ام
با مسلماناں اگر حق گفتہ ام

ایکہ از احسانِ تو ناکس کس است
یک دعایت مزدِ گفتارم بس است

پیامِ مشرق

برکاتِ قرآنی سے محرومی کا ایک سبب قرآن کو مشکل سمجھ لینا بھی ہے۔
حالانکہ وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ سے ثابت ہے کہ قرآن
فطرت انسانی کا دُوسرا نام ہے۔ اقبالؒ نے یہ کہہ کر آیاتِ قرآنی کو
کس قدر آسان اور قریب الفہم بنا دیا ہے کہ ضمیرِ انسانی خود اس کی دلیل ہے:

ز رازِ معنیٔ قرآں چہ پُرسی
ضمیرِ ما بآیاتش دلیل است

خرد آتش فروزد، دِل بسوزد
ہمیں تفسیرِ نمرود و خلیل است

اِسی کے ہم معنیٰ ایک لطیف اشارے میں فرماتے ہیں:

تو خورشیدی و من سیارهٔ تو
سراپا نورم از نظارهٔ تو
ز آغوشِ تو دورم ناتمامم
تو قرآنی و من سیپارهٔ تو

اقبال حکومتِ الٰہیہ کے خواستگار ہیں۔ اللہ کی زمین اُن کی آنکھوں میں اللہ ہی کی زمین ہے۔ اُن کا وظیفۂ حیات اَلْمُلْکُ لِلّٰہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ دیکھیے طارقؒ کے واقعہ سے کیا بات پیدا کی ہے اور مسلمانوں کے قلوب میں کونسا جذبہ بھر دینا چاہتے ہیں:

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطاست
دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم؟
ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

زمانۂ حال کی نام نہاد تہذیب کا نقشہ کھینچا ہے:

انساں کہ رُخ ز غازۂ تہذیب برفروخت
خاکِ سیاہِ خویش چو آئینہ وا نمود

پوشید پنجہ را تہِ دستانۂ حریر
افسوس قلم شد و تیغ از کمر کشود
ایں بوالہوس صنم کدۂ صلحِ عام ساخت
رقصید گردِ او بنواہائے چنگ و عود
دیدم چو جنگ پردۂ ناموسِ او درید
جز "یَسفِكُ الدِمَا" و "خَصِیمٌ مُبِیں" نبود

پیش کش میں غازی امان اللہ خان سے کہتے ہیں ؂

دیدہ اے خسروِ کیواں جناب
آفتابِ ما توارَت بالحجاب

زندگی قانونِ قدرت سے منفک نہیں ہوسکتی ۔ جہد للبقاء ضروری چیز ہے ۔ علم و دولت نظر انداز کرنے کی چیزیں نہیں ہیں :

زندگی جہد است و استحقاق نیست
جز بعلمِ انفس و آفاق نیست
گفت حکمت را خدا خَیرِ کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

سیّدِ کُل، صاحبِ اُمُّ الکتاب
پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید
رَبِّ زِدْنِیْ از زبانِ او چکید

علمِ اشیاء علّم الاسماستے!
ہم عصا و ہم یدِ بیضاستے

علمِ اشیاء داد مغرب را فروغ
حکمتِ او ماست می بندد ز دوغ

جانِ ما را لذّتِ احساس نیست
خاکِ رہ جز ریزۂ الماس نیست

علم و دولت نظمِ کارِ ملّت است
علم و دولت اعتبارِ ملّت است

آں یکے از سینۂ احرار گیر
واں دگر از سینۂ کہسار گیر

دشنہ زن در پیکرِ ایں کائنات
در شکم دارد گہر چوں سومنات

لعلِ ناب اندر بدخشانِ تو ہست
برقِ سینا در قہستانِ تو ہست

اسی منظوم پیش کش کے آخری بند میں شہنشاہ مراد کی مثال پیش کرتے ہیں :

سروری در دینِ ما خدمت گری است
عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری است

در ہجومِ کارہائے ملک و دیں
با دلِ خود یک نفس خلوت گزیں

ہر کہ یک دم در کمینِ خود نشست
ہیچ نخچیر از کمندِ او نجست

در قبائے خسروی درویش زی
دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

قایدِ ملت شہنشاہِ مُراد
تیغِ او را برق و تندر خانہ زاد

ہم فقیرے ہم شہِ گردوں فرے
اردشیرے باروانِ بوذرے

غرق بودش در زرہ بالا و دوش
درمیانِ سینہ دل موئینہ پوش

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

در امارت فقر را افزوده اند
مثلِ سلمانؓ در مدائن بوده اند

حکمرانے بود و سامانے نداشت
دستِ اُو جُز تیغ و قرآنے نداشت

زبورِ عجم

ذیل کے اشعار میں اِس حقیقت کو واشگاف کہا ہے کہ وہ قرآن اور وہ تعلیم گاہ کچھ اور ہے جس سے اصل مقصد حاصل ہو سکے۔ یہ امرِ واقعہ ہے کہ آج قرآنِ مجید کی مجلدات بکثرت ہیں اور درس دینے والوں کی بھی کمی نہیں مگر ٹوٹے ہوئے دِل نہیں جُڑ رہے ہیں۔ آسودگی سر تا سر مفقود ہے ؎

آسودہ نمی گردد آں دل کہ گسست از دوست
با قرأتِ مسجد ہا با دانشِ مکتب ہا

گلشنِ رازِ جدید کے اندر سوال و جواب کے پیرائے میں وحدۃ الوجود کے اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں:

سوال ۳: وصالِ ممکن و واجب بہم چیست؟
حدیثِ قرب و بُعد و بیش و کم چیست؟

جواب : بجو مطلق ، دریں دیرِ مکافات
که مطلق نیست جز نورُ السّمٰوات

مہ و سالت نمی ارزد بیک جو
بحرفِ "کَمْ لَبِثْتُمْ" غوطہ زن شو

پانچویں سوال کا جواب :

چہ گویم از 'من' و از تو رش و تابش
کند اِنّا عَرَضنا بے نقابش

نویں سوال کا جواب :

جہاں یکسر مقامِ آفلین است
دریں غربت سرا عرفاں ہمیں است

ایک مشکل مسئلہ کے متعلق خود ہی سوال کرتے ہیں اور اس حُسن کیساتھ
کہ وہی اپنی جگہ پر جواب بھی ہے ۔

اَلَسْتُ از خلوتِ نازے کہ برخاست؟ بلیٰ، از پردۂ سازے کہ برخاست؟

بندگی نامہ میں جہاں غلامی و محکومیت کے خلاف جہاد ہے
وہاں حقیقی حریت و آزادی کا درس بھی ہے ۔ حیات اور حیاتِ مطلق
میں فرق ہے ۔ حیاتِ مطلق وہی ہے جس کو " زیستن باحق " سے تعبیر
کیا گیا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ قرآنی علم و عمل سے ہی ممکن ہے ۔

اگر حَیٌّ لَا یَمُوْتُ آمد حق است
زیستن باحق حیاتِ مطلق است

جاوید نامه

اقبالؒ کو بارگاہِ خداوندی میں نیاز کے ساتھ ناز کا درجہ بھی حاصل ہے جو مناجات کے اندر بھی نمایاں ہے:

آیۂ تسخیر اندر شانِ کیست؟
ایں سپہرِ نیلگوں حیرانِ کیست؟
راز دانِ عَلَّمَ الْاَسْمَاء کہ بُود؟
مستِ آں ساقی و آں صہبا کہ بُود؟
برگزیدی از ہمہ عالم کرا؟
کردی از رازِ دروں محرم کرا؟
اے ترا تیرے کہ مارا سینہ سفت؟
حرفِ اُدْعُوْنِیْ کہ گفت و باکہ گفت

رُوئے تو ایمانِ من قرآنِ من
جلوہ داری دریغ از جانِ من؟
از زیانِ صد شعاعِ آفتاب
کم نمی گردد متاعِ آفتاب

گرچہ از خاکم نروید جز کلام
حرفِ مہجوری نمی گردد تمام!
زیرِ گردوں خویش را یابم غریب
زآنسوئے گردوں بگو "اِنِّیْ قَرِیْب"
تا مثالِ مہر و ماہ گردد غروب
ایں جہات و ایں شمال و ایں جنوب
از طلسمِ دوش و فردا بگذرم
از مہ و مہر و ثریا بگذرم

روحِ رومیؒ کی زبانی مسلمانوں کو اِلاَّ بِسُلْطَان کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہیں ؎

نکتۂ اِلاَّ بِسُلْطَان یاد گیر
ورنہ چوں مور و ملخ در گِل بمیر

نوائے سروش میں اِس حقیقت کا اظہار ہے کہ اگر قرآن حکیم سے انسانی خیالات کی آمیزش کا غلاف اُتر جائے تو لیلائے معنے اپنے اصلی روپ میں پردۂ محمل سے جلوہ گر ہو ؎

چُوں سرمۂ رازی را از دیدہ فرو شستم
تقدیرِ اُمم دیدم پنہاں بکتاب اندر!

پیغمبری کی تفسیر میں رومیؒ کی زبان سے ترجمانی فرماتے ہیں ؎

ہائے و ہوئے اندرونِ کائنات
از لبِ اُو نجم و نور و نازعات

ابو جہل اپنے معتقدات کی تباہی کو دیکھ کر کہتا ہے ؎

صرصرے دہ با ہوائے بادیہ
اَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَۃ

قرآنِ مجید اور اس کی **تلاوت**، نماز اور اس کا مرتبہ اقبالؒ کی دُنیا میں کسی اور ہی چیز کا نام ہے۔ اہتمام یہ ہے کہ زندہ رود کی حیثیت سے اپنے پیر مولانائے رومیؒ کے ہمراہ روحانی سیر میں مشغول ہیں۔ ایک مقام پر علامہ **جمال الدّین افغانی** اور **سعید حلیم پاشا** سے اس حال میں دوچار ہوتے ہیں کہ اوّل الذکر امام ہیں اور مؤخر الذکر مقتدی۔ دشت خموش

ہے اور قرأت میں سورۂ والنجم۔ اب اس کے لطف، اس کے اثرات اور اس کے مرتبہ کے کیا کہنے:

سید السادات مولٰنا جمال

زندہ از گفتارِ او سنگ وسفال

ترک سالار آں حلیمِ دردمند

فکرِ او مثلِ مقامِ او بلند

با چنیں مرداں دو رکعت طاعت است

ورنہ آں کاری کہ مزدش جنت است

قرأتِ آں پیرِ مردے سخت کوش

سورۂ وَالنَّجْمُ آں دشتِ خموش!

قرأتے کو دے خلیل آید بوجد

رُوحِ پاکِ جبرئیل آید بوجد!

دِل ازو در سینہ گردد ناصبور

شور اِلَّا اللہ خیزد از قبور!

اضطرابِ شعلہ بخشد دُود را

سوز و مستی می دہد داؤد را

آشکارا ہر غیاب از قرأتش

بے حجاب ام الکتاب از قرأتش

پرنس سعید حلیم پاشا زندہ رود سے قرآن کے اوصاف بیان کرتے ہیں اور تعلیم و تبلیغِ قرآن پر اُبھارتے ہیں :

چوں مسلماناں اگر داری جگر
در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست
عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست!
یک جہانش عصرِ حاضر رابس است
گیر اگر در سینہ دل معنیٰ رس است
بندۂ مومن ز آیاتِ خداست
ہر جہاں اندر برِ او چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش!

زندہ رود دریافت کرتے ہیں کہ وہ قرآں کہاں ہے جس یہ عالم ہے ؂

زورقِ ما خاکیاں بے ناخداست
کس نداند عالمِ قرآں کجاست!

جواب علامہ افغانی کی طرف سے ملتا ہے :

لا یزال و وارداتش نَو بنَو

برگ و بارِ محکماتش نو بنو

باطن او از تغیر بے غمے
ظاہر او انقلابِ ہر دمے
اندرونِ تست ان عالم نگر
می دہم از محکماتِ او خبر!

ابنِ آدم کے مرتبہ کا بیان ہے ۔

حرفِ اِنّی جَاعِلٌ تقدیرِ اُو
از زمیں تا آسماں تفسیرِ اُو

بندۂ حق وہ ہے جو خدا کا مطیع ہو۔ اب اس کی اطاعت اس کی اطاعت نہ ہوگی بلکہ حق کی اطاعت ہو گی۔ اِسی لیے ازروئے قرآن حکومت کا حق صرف بندۂ حق کو ہے اور اس کے سوا ہر حاکم اور حکومت کا کافری سے کم نہیں :

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام اُو را نہ او کس را غلام
رسم و راہ و دین و آئینش ز حق
زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق
عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر

سُودِ خود بیند نہ بیند سُودِ غیر
وحیِ حق بینندۂ سُودِ ہمہ
در نگاہش سُود و بہبودِ ہمہ

غیرِ حق چوں ناہی و آمر شود
زور ور بر ناتواں قاہر شود
زیرِ گردوں آمری از قاہری است
آمری از ماسوی اللہ کافری است

اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو
دامنِ قرآں بگیر آزاد شو

حکمت "خیرِ کثیر" ہے اور مسلمان کی گم شدہ چیز۔ یہ جہاں سے بھی ملے حاصل کر لینا چاہیے ؎

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

شیطان، انسان کے رگ رگ میں خون کی طرح جاری و ساری ہے۔ اس ابلیس کے شر سے اس وقت تک گلو خلاصی ممکن نہیں۔ جب تک کہ شمشیرِ قرآن سے اسے مقہور نہ بنایا جائے:

کشتن ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیر قرآنش کنی

زندہ رود نے سب کچھ سُنا لیکن ابھی تک یہ سوال باقی ہے کہ آخر وہ عالمِ قرآن ہمارے جان و دل سے کیوں جلوہ گر نہیں ہوتا:

محکماتش وا نمودی از کتاب
ہست آں عالم ہنوز اندر حجاب

پردہ را از چہرہ نکشاید چرا
از ضمیرِ ما بروں نآید چرا

پیشِ ما یک عالمِ فرسودہ ایست
ملت اندر خاکِ اُو آسودہ ایست

رفت سوزِ سینۂ تاتار و کُرد
یا مسلماں مُرد یا قرآں بمُرد!

سعید حلیم پاشا جو جواب دیتے ہیں قوم کے لیے سرمایۂ عبرت ہے اور دعوتِ فکر و نظر:

دینِ حق از کافری رُسوا تر است
زانکہ مُلّا مومِن کافر گر است!

شبنمِ ما در نگاہِ ما یم است
از نگاہِ او یمِ ما شبنم است!

از شگرفیہائے آں قرآں فروش
دیدہ ام رُوح الامیں را در خروش!

زانسوئے گردوں دِلش بیگانۂ
نزدِ او اُمّ الکتاب افسانۂ

بے نصیب از حکمتِ دینِ نبیؐ
آسمانش تیرہ از بے کوکبی!

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد
ملّت از قال و اقولش فرد فرد!

مکتب و مُلّا و اسرارِ کتاب
کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب!

دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد!

مردِ حق کا کام کیا ہے، سُنیے:

مردِ حق جانِ جہانِ چار سُوے
آں سخلوتِ نیست را از من گوے

اے ز افکارِ تو مومن را حیات
از نفسہائے تو ملت را ثبات

حفظِ قرآنِ عظیم آئینِ تست
حرفِ حق را فاش گفتن دینِ تست

مردِ حق کی شان کیا ہے، ملاحظہ ہو:

مردِ حق از کس نگیرد رنگ و بُو
مردِ حق از حق پذیرد رنگ و بُو

ہر زماں اندر تنش جانے دِگر
ہر زماں اورا چو حق شانے دِگر

راز ہا با مردِ مومن باز گوے
شرحِ رمزِ کُلَّ یَوْمٍ باز گوے

علامہ **افغانی** عصرِ نو کو کمند میں لانے کی تدبیر بتاتے ہیں

بہرِ آں مردے کہ صاحب جستجو است
عبرتِ دیں ندرتِ آیاتِ او ست

غربتِ دیں ہر زماں نوعِ دگر

نکتہ را دریاب اگر داری نظر

دل بآیاتِ مبیں دیگر بہ بند

تا بگیری عصرِ نو را در کمند۔

کس نمی داند ز اسرارِ کتاب

شرقیاں ہم غربیاں در پیچ وتاب

حقیقی مسلمان اور حقیقی قرآن کچھ اور چیز ہے اور آج اس کا عالم کچھ اور ہی ہو کر رہ گیا ہے :

منزل و مقصودِ قرآں دیگر است

رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

در دلِ او آتشِ سوزندہ نیست

مصطفیٰ در سینۂ او زندہ نیست!

بندۂ مومن ز قرآں بر نخورد

در ایاغِ او نہ مے دیدم نہ دُرد

خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست

خود سرِ تختِ ملوکیت نشست

ملتے می خواہد ایں دنیائے پیر

آنکہ باشد "ہم بشیر و ہم نذیر"!

ملتِ روسیہ سے خطاب کیا گیا ہے:

داستانِ کہنہ شستی باب باب
فکر را روشن کن از اُمّ الکتاب

گر ز مکرِ غربیاں باشی خبیر
روبہی بگزار و شیری پیشہ گیر
چیست رُوباہی تلاشِ ساز و برگ
شیرِ مولا جوید آزادی و مرگ
جُز بہ قرآں ضیغمی روباہی است
فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است
فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل ندیدم جُز بذکر

قرآن کیا ہے۔ یہ کس کے لیے کیا ثابت ہوتا ہے اور عصرِ حاضر کی گتھیاں اس سے کس طرح سُلجھ سکتی ہیں:

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ
دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ!
ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا

از ربا آخر چه می زاید؟ فتن!

کس نه داند لذتِ قرضِ حسن!

از ربا جاں تیره، دِل چوں خشت و سنگ

آدمی درنده بے دندان و چنگ!

رزقِ خود را از زمیں بردن رواست

ایں متاع بنده و مِلکِ خداست

بندهٔ مومن امیں، حق مالک است

غیرِ حق ہر شے کہ مبینی هَالِكٌ[1] است

رایتِ حق از ملوکِ[2] آمد نگوں

قریہ ہا از دخلِ شاں خوار و زبوں

آب و نانِ ماست از یک مائده

دودهٔ آدم "كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ"[3]

قرآن کی ذات سے کیا کیا انقلابات رُونما نہیں ہوئے اور وہ

---

[1] كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ۔

[2] إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً أَفْسَدُوْهَا۔

[3] مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ

اب بھی کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ بقول علامہ مرحوم قرآن کا جاننا تقدیرِ حیات کا جاننا ہے۔ وہ حق بھی ہے اور حق کی طرح اس کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی:

نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست
نقشہائے کاہن و پاپا شکست
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شُد جہاں دیگر شود
مثلِ حق پنہان وہم پیداست ایں
زندہ و پایندہ و گویاست ایں
اندر و تقدیر ہائے غرب و شرق
سرعتِ اندیشہ پیدا کن چو برق
با مُسلماں گفت جاں بر کف بنہ
ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ[۱]
آفریدی شرع و آئینے دگر
اندکے با نورِ قرآنش نگر

---

[۱] يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ.

از بم و زیرِ حیات آگہ شوے
ہم ز تقدیرِ حیات آگہ شوے

اقبالؒ کا خیال ہے کہ اس وقت قرآن کے ساتھ مسلمانوں کا جو سلوک ہے اس سے اندیشہ ہے کہ انعاماتِ الٰہی کا وعدہ کسی اور کے لیے مقدّر نہ ہو جائے:

محفلِ ما بے مَے و بے ساقی است
سازِ قرآں را نواہا باقی است

از مسلماں دیدہ ام تقلید و ظن
ہر زماں جانم بلرزد در بدن!
ترسم از روزے کہ محرومش کنند
آتشِ خود بر دلِ دیگر زنند!

تازہ "مَا زَاغَ الْبَصَر" گیرد نصیب
بر مقامِ عبدہٗ گردد رقیب!
از مقامِ خود نمی دانم کجاست
ایں قدر دانم کہ از یاراں جداست

زندہ رود کی روحانی سیراب اس مقام پر پہنچتی ہے جہاں خدایانِ اقوام قدیم کی مجلس گرم ہے لیکن ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ ذکرِ جمیل یعنی قرآن کے خیال سے لرزاں و ترساں ہے۔

ہر یکے ترسندہ از "ذکرِ جمیل"
ہر یکے آزردہ از ضربِ خلیلؑ

فلکِ زہرہ پر بعل، مردوخ، یعوق، نسر، فسر، رم خن، لات، منات، عسر، غنسر، مشہور معبودانِ باطل جمع ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے قیام کی دلیل لا رہا ہے کیونکہ اس زمانہ میں کوئی خلیلِ بُت شکن نہیں رہا۔

بر قیامِ خویش می آرد دلیل
از مزاجِ ایں زمانِ بے خلیل

حالات یہ ہیں کہ جس سے اقبال بے چین اور ملول ہیں، لیکن صاحبِ ذکرِ جمیل پیرِ رُومؒ بھی چونکہ اس سفر میں ساتھ ہیں اس لیے وہ ڈھارس بندھا رہے ہیں۔

پیرِ رُومؒ آں صاحبِ ذکرِ جمیل
ضربِ او را سطوتِ ضربِ خلیل

گفتمش در دِل من لات و منات است بلے
گفت ایں بتکدہ را زیر و زبر باید کرد

اب پیرِ رومؒ اپنا عمل شروع کرتے ہیں :

پیرِ رومیؒ سورۂ طٰہٰ سے :

زیرِ دریا ماہتاب آمد فرود!

کوہ ہائے شستہ و عریان وسرد

اندراں سرگشتہ و حیراں و مرد!

فرعون سُنتا ہے اور کہتا ہے ؎

گفت فرعون ایں سحر! ایں جوئے نور!

از کجا ایں صبح و ایں نور و ظہور؟

مولانا رومیؒ جواب دیتے ہیں ؎

ہر چہ پنہاں است ازو پیدا ستے

اصلِ ایں نور از یدِ بیضا ستے

فرعون نوحہ کرتا ہے اور اپنے کیے پر پچھتاتا ہے ؎

آہ نقدِ علم و دیں در باختم

دیدم و ایں نور را نشناختم!

باز گر بینم کلیم اللہ را

خواھم از وے یک دل آگاہ را

اِس موقع پر حکیم مریخی سے زندہ رود کچھ پوچھتے ہیں تو جواب ملتا ہے:

اے کہ می گوئی متاعِ ما ز ماست
مردِ ناداں ایں ہمہ ملکِ خداست
ارضِ حق را ارضِ خود دانی بگو
چیست شرحِ آیۂ لَاتُفْسِدُوْا؟
ابنِ آدم دل بابلیسی نہاد
من ز ابلیسی ندیدم جز فساد!
کس امانت را بکارِ خود نبرد
اے خوش آں کو ملک حق باحق سپرد

زندہ رود حلّاج سے ان کا قصور دریافت کرتے ہیں اور وہ اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں۔

بُود اندر سینۂ مَن بانگِ صور
ملّتے دیدم کہ دارد قصدِ گور!
مومناں با خُوئے و بوئے کافراں
لَا اِلٰہ گویان و از خود منکراں!

امرِ حق گفتند نقشِ باطل است
زانکہ او وابستۂ آب و گِل است

من بجود افسرد و ختم نارِ حیات
مردہ را گفتم ز اسرارِ حیات!

زندہ رود نے قرۃ العین **طاہرہ** سے اس کے ایک شعر کا مطلب معلوم کرنا چاہا ہے۔ مگر اس کا جواب **غالب** نے دیا۔ چونکہ حضرتِ غالب تفصیلی شرح سے بچنا چاہتے ہیں۔ اس لیے زندہ رود فرماتے ہیں ؎

تو سراپا آتش از سوزِ طلب!
بر سخن غالب نیائی اے عجب!

غالب:

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست[۲]
رحمۃ للعالمینی انتہاست

زندہ رود حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے "سرِ جوہر" سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔ **حلاج** اس کے جواب میں رمز "عبدہٗ" کی طرف

---

[۱] قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ

[۲] خَلَقَ فَقَدَّرَ فَھَدٰی

اشارہ کرتے ہیں ؎

پیشِ او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

کس ز سرِّ عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جز سرِّ اِلّا اللہ نیست

مدّعا پیدا نگردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقامِ مَا رَمَیْتَ[1]

بندۂ فرماں پذیر ہی ہے جس سے ابلیس بھی پناہ مانگتا ہے

خاکش از ذوقِ 'ابا' بیگانۂ
از شرارِ کبریا بیگانۂ !
صید خود صیّاد را گوید بگیر
الاماں اے بندۂ فرماں پذیر!
آں کہ گوید "از حضورِ من برو"
آں کہ پیشِ او نیرزم بادو جو

[1] مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی

اب زندہ رود اپنے پیر رومیؒ کے ساتھ جنت الفردوس تک پہنچتے ہیں اور اُن کو **قصرِ شرف النساء** نظر آتا ہے جس کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ یہ کس کا کاشانہ ہے:

گفتم ایں کاشانۂ از لعلِ ناب
آنکہ می گیرد خراج از آفتاب!
ایں مقام ایں منزل ایں کاخِ بلند
حوریاں بر درگہش احرام بند!
اے تو دادی سالکاں را جستجوے
صاحبِ او کیست؟ بامن باز گوے
گفت ایں کاشانۂ شرف النساست
مرغ بامش با ملائک ہم نواست!
قلزمِ ما ایں چنیں گوہر نزاد
ہیچ مادر ایں چنیں دختر نزاد!
خاکِ لاہور از مزارش آسماں
کس نداند رازِ او را در جہاں!
آں سراپا ذوق و شوق و درد و داغ
حاکمِ پنجاب را چشم و چراغ
آں فروغِ دودۂ عبد الصمد
فقرِ او نقشے کہ ماند تا ابد!

ما زِ دستِ آں پاک می سوزد وجود
از تلاوت یک نفس فارغ نبود
در کمر تیغ دو رُو قرآں بدست
تن بدن ہوش و حواس اللہ مست!
خلوت و شمشیر و قرآن و نماز
اے خوش آں عمرے کہ رفت اندر نیاز!
بر لبِ او چوں دمِ آخر رسید
سوئے مادر دید و مشتاقانہ دید!
گفت اگر از رازِ من داری خبر
سوئے ایں شمشیر و ایں قرآں نگر
ایں دو قوت حافظِ یک دیگر اند
کائناتِ زندگی را محور اند!
اندریں عالم کہ میرد ہر نفس
دخترت را ایں دو محرم بود و بس!
وقتِ رخصت باتو دارم ایں سخن
تیغ و قرآں را جُدا از من مکن
دل باآں حرفے کہ می گویم بنہ
قبرِ من بے گنبد و قندیل بہ!
مومناں را تیغ با قرآں بس است

تربتِ ما را ہمیں ساماں بس است!

مسلمانوں کی بے حمیتی سمجھیے یا غفلت شعاری، قرآن مبارک کی نظامی وعسکری یا مادی روحانی تعلیم فروگذاشت کر دی گئی۔ پھر انقلاب زمانہ نے یہ دن دکھائے کہ بیگم پورہ کا صرف نام باقی رہ گیا۔ آج نہ وہ شرف النسا کا مقبرہ ہے اور نہ ناموسِ اسلام کی محافظ تیغ و قرآن۔ سوچیے کتنے ہیں جن کو وصیت کے حرف بھی یاد ہوں۔ علامہ مرحوم نے اس درد انگیز حادثہ کا اظہار یوں کیا ہے:

عمرہا در زیرِ ایں زریں قباب
بر مزارش بود شمشیر و کتاب
مرقدش اندر جہانِ بے ثبات
اہلِ حق را دادہ پیغامِ حیات!
تا مسلماں کرد با خود آنچہ کرد
گردشِ دوراں بساطش در نورد
مردِ حق از غیرِ حق اندیشہ کرد
شیرِ مولا روبہی را پیشہ کرد!
از دلش تاب و تبِ سیماب رفت
خود بدانی آنچہ بر پنجاب رفت
خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد

اندراں کشور مسلمانی بمُرد

زندہ رود **شاہِ ہمدان** سے دوچار ہوتے ہیں اور تخت و تاج کی اصل دریافت کرتے ہیں جس کے جواب میں ٹیکس و مالگزاری کی حقیقت بھی آجاتی ہے :

اصلِ شاہی چیست اندر شرق و غرب؟
یا رضائے امتاں یا حرب و ضرب
فاش گویم با تو اے والا مقام
باج را جز با دو کس دادن حرام!
یا **"اُولِی الْاَمر"** کہ **"مِنکُم"** شانِ اوست
آیۂ حق حجت و برہانِ اوست
یا جواں مردے چو صرصر تند خیز
شہر گیرد خویش باز اندر ستیز
روزِ کیں کشور کشا از قاہری
روزِ صلح از شیوہ ہائے دلبری
می تواں ایران و ہندوستاں خرید
پادشاہی را ز کس نتواں خرید
جامِ جم را اے جوانِ باہنر
کس نگیرد از دکانِ شیشہ گر

بگیرد مالِ او جز شیشہ نیست
شیشہ را غیر از شکستن پیشہ نیست

خطاب بہ جاوید (سخنے بہ نژادِ نو) میں اقبال نے اپنے جگر کے ٹکڑے بکھیر دیے ہیں یا پھریوں کہیے کہ اپنا کلیجہ کاغذ پر نکال کر رکھ دیا ہے ۔ بظاہر اپنے نورِ نظر جاوید سے خطاب ہے ۔ **مگر ساتھ ہی ساتھ** اپنی معنوی اولاد یعنی قوم کے بچوں سے بھی وہ درس آموز باتیں کہہ جاتے ہیں جو اُن کی تعلیمات کی رُوح ، اُن کے پیغام کا خلاصہ اور جو اُن کے علم و تجربہ یا خدا داد دانائی و فراست کا نتیجہ ہیں ۔ آج ایک مسلمان کیا سے کیا ہو گیا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں :

مومن و پیشِ کساں بستن نطاق
مومن و غداری و فقر و نفاق!
با پشیزے دین و ملت را فروخت
ہم متاعِ خانہ و ہم خانہ سوخت!
لا الٰہ اندر نمازش بود و نیست
نازہا اندر نیازش بُود و نیست
نور در صوم و صلوتِ او نماند
جلوہ در کائناتِ او نماند!
آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ

فتنۂ او حبِّ مال و ترسِ مرگ!

رفت ازو آں مستی و ذوق و سرور
دینِ او اندر کتاب و او بگور!

صحبتش با عصرِ حاضر در گرفت
حرفِ دیں را از دو پیغمبر گرفت

آں ز ایراں بود و ایں ہندی نژاد
آں ز حج بیگانہ و ایں از جہاد!

تا جہاد و حج نماند از واجبات
رفت جاں از پیکرِ صوم و صلوٰت

رُوح چوں رفت از صلوٰت و از صیام
فرد نا ہموار و ملّت بے نظام!

سینہ ہا از گرمیٔ قرآں تہی
از چنیں مرداں چہ امیدِ بہی!

از خودی مردِ مسلماں در گذشت
اے خضر، دستے کہ آب از سر گذشت!

سجدۂ کز وے زمیں لرزیدہ است
بر مرادش مہر و مہ گردیدہ است

لہ باب۔ بہاء۔ غلام احمد قادیانی

(ق)

سنگ اگر گیرد نشانِ آں سجود
در ہوا آشفتہ گردد ہم چو دُود!

ایں زماں جز سر بزیری ہیچ نیست
اندرو جز ضعفِ پیری ہیچ نیست!

آں شکوہِ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ کجاست
ایں گناہِ اوست یا تقصیرِ ماست؟

ہر کسے بر جادۂ خود تند رو
ناقۂ ما بے زمام و ہرزہ دو!

صاحبِ قرآن و بے ذوقِ طلب
العجب، ثم العجب، ثم العجب!

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اِس زمانہ کے مُسلمان یا تو مُلّا کے صید بنے ہُوئے ہیں یا پادشاہوں کے نخچیر ہو گئے ہیں۔ اُن کا دین، اُن کی عقل و دانش اور اُن کا ننگ و ناموس الغرض سب کچھ دُزدانِ فرنگ کے فتراک میں بندھا ہُوا ہے۔ یہ تو ہوا عمومیت کا حال۔ رہے اِس دَور کے نوجوان وہ بالخصوص جملہ معائب سے پُر ہیں۔ پھر چلہ کار کے طور پر دربِ نظر دیتے ہیں اور "ستّہ دین" بیان کرتے ہوئے تمثیلاً ایک قصّہ بیان کرتے ہیں:

سرِ دیں صدقِ مقالِ اکلِ حلال
خلوت و جلوت تماشائے جمال!
در رہِ دیں سخت چوں الماس زی
دل بحق بر بند و بے وسواس زی!
سرّے از اسرارِ دیں بر گویمت
داستانے از مظفرؒ گویمت
اندر اخلاصِ عمل فردِ فرید
پادشاہے با مقامِ بایزید
پیشِ او اسپے چو فرزندانِ عزیز
سخت کوش چوں صاحبِ خود در ستیز
سبزہ رنگے از نجیبانِ عرب
باوفا، بے عیب، پاک اندر نسب
مردِ مومن را عزیز اے نکتہ رس
چیست جز قرآن و شمشیر و فرس؟
من چہ گویم وصفِ آں خیر الجیاد
کوہ و رُوئے آبہا رفتے چو باد
روز ہیجا از نظر آمادہ تر

ؒ سلطان مظفر بیگڑہ از سلاطینِ گجرات

تند بادے طایفِ کوہ و کمر
در تگِ اُو فتنہ ہاے رستخیز
سنگ از ضربِ سُمِ او ریزہ ریز
روزے آں حیواں چو انساں ارجمند
گشت از دردِ شکم زار و نژند
کرد بیطارے علاجش از شراب
اسپِ شہ را وار باندازِ پیچ و تاب
شاہ حق بیں دیگر آں یکراں نخواست
شرعِ تقوٰے از طریقِ ما جداست
اے ترا بخشد خدا قلب و جگر
طاعتِ مردِ مسلمانے نگر!

پھر نصیحت کرتے ہیں۔ اور غافلوں کو خبردار کرتے ہیں:

در مسلماناں مجو آں ذوق و شوق
آں یقیں آں رنگ و بو آں ذوق و شوق
عالماں از علمِ قرآں بے نیاز
صوفیاں درندہ گرگ و مو دراز!
گرچہ اندر خانقاہاں ہائے و ہوست
کو جوانمردے کہ صہبا در کدوست!

ہم مسلمانانِ افرنگی مآب
چشمۂ کوثر بجویند از سراب!

بے خبر از سرِّ دیں اند ایں ہمہ
اہلِ کیں اند اہلِ کیں اند ایں ہمہ!

خیر و خوبی بر خواص آمد حرام
دیدہ ام صدق و صفا را در عوام

'اہلِ دیں را باز داں از اہلِ کیں
ہم نشینِ حق بجو با او نشیں'

کرگساں را رسم و آئین دیگر است
سطوتِ پروازِ شاہیں دیگر است

مثنوی

پس چہ باید کرد

اے اقوامِ شرق

پیرِ رُوم ؒ سے حضرتِ اقبال ؒ کو روحانی لگاؤ ہے اور اسی لیے باطنی طور پر جو کچھ استفادہ ان کو حاصل ہُوا ہے اس کا انہیں جا بجا اعتراف ہے ایک شعر اُن کی تعریف میں سنیے ؎

نورِ قرآں درمیانِ سینہ اش
جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش

مردِ حق کی شان لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہے کیونکہ نہ تو اسے ماسوی اللہ کا خوف ہوتا ہے اور نہ وہ پایانِ کار حزن نصیب ہوتا ہے مردِ حق کچھ اس طرح رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے دو حرفوں میں فنا ہو جاتا ہے کہ دونوں جہان ان کی نگاہوں

یں ہیچ ہوتے ہیں وہ اپنے لیے ایک نئی دُنیا پیدا کرتا ہے اور پُرانے نظام کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ بہرحال ایک مردِ حق خوف و حزن کا کیا شکار بنے گا۔ وہ تو دوسروں کو بھی اپنے رنگ میں رنگین ہونے کی دعوت دیتا ہے اور انجام کار یک رنگی میں ڈبو دیتا ہے۔

معنی جبریل و قرآں است او
فِطرۃ اللہ را نگہبان است او

درسِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ می دہد
تا دِلے در سینۂ آدم نہد

مردِ حق! افسونِ ایں دیرِ کہن
از دو حرف رَبِّیَ الْاَعْلٰی شکن

سنیے ایک مردِ درویش ساز و برگ کہاں سے حاصل کرتا ہے ؂

برگ و سازِ او ز قرآنِ عظیم
مردِ درویشے نہ گنجد در گلیم

فقر کیا چیز ہے اور اس کی تعریف کیا ہے ؂

فقرِ قرآں احتسابِ ہست و بود
نے رباب و مستی و رقص و سرود

دیکھیے اقبالؔ کو اپنی گری ہوئی قوم کا غم خون کے آنسو رلاتا ہے اور یہ بھی سُنیے **مردِ حُر** کس کو کہتے ہیں اور اس میں کونسی امتیازی شان ہوتی ہے ؎

مردِ حُر محکم ز وردِ **لَا تَخَفْ**
ما بمیداں سر بجیب او سر بکف

چونکہ ساری خرابیاں **ایمان** کے نہ ہونے کی وجہ سے ہیں اس لیے سب سے پہلے اسی کی دعوت دی جاتی ہے ؎

از شریعت اَحْسَنَ التَّقْوِیم شو
وارثِ ایمانِ ابراہیم شو

اقبال کی رائے میں جو لوگ حجرہ میں بیٹھے ہوئے اپنے آپ کو قرآن والی قوم سمجھ رہے ہیں یقیناً مغالطہ میں ہیں۔ قرآن والی قوم ہرگز ایسی نہیں ہوا کرتی جو اس قدر کم سواد اور کم نظر ہو :

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم

تا کجا در حجرہ می باشی مقیم

عصرِ من پیغمبرے ہم آفرید
آنکہ در قرآن بغیر از خود ندید

ہر یکے دانائے قرآن و خبر
در شریعت کم سواد و کم نظر

یہ حقیقت ہے کہ غلامی میں لذتِ ایماں کہاں نصیب،
خواہ غلاموں کا ایک گلہ قرآن مبارک کو گھول کر ہی کیوں نہ پی جاتے۔
اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غلامی اور قرآن بالکل متضاد چیزیں ہیں
اور دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں ؎

از غلامی لذتِ ایماں مجو
گرچہ باشد حافظِ قرآں مجو

چونکہ عرب کو قبولیتِ حق اور اس کی تبلیغ کا سب سے پہلے
شرف حاصل ہوا ہے۔ اِس لیے اُن کے بھولے ہوئے سبق
کو یاد دلاتے ہیں:

رمزِ اِلَّا اللّٰہ کرا آموختند؟
ایں چراغِ اوّل کجا افروختند؟

علم و حکمت ریزہ از خوانِ کیست؟
آیۂ فَاَصْبَحْتُمْ اندر شانِ کیست؟

آج تو حال یہ ہے کہ ؎

سطوتِ بانگِ صلوٰت اندر نبرد
قرأتِ الصّٰفّٰت اندر نبرد

فی الاصل ایک مردِ حُر کی پہچان یہی ہے کہ وہ آیاتِ خداوندی کو دیکھے اور نظامِ فطرت کے مُطالعہ سے بہرہ اندوز ہو ؎

ہر کہ آیاتِ خدا بیند حُر است
اصلِ ایں حکمت ز حکمِ اُنظُر است

بے شبہ قوم، سوزِ جگر سے خالی ہو گئی اور لُطفِ قرآن سے یکسر محروم
اس کی شکایت حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں

ہو رہی ہے ؎

در نفس سوزِ جگر باقی نماند
لُطفِ قرآنِ سحر باقی نماند

مُسافِر

مسافر کون ہے؟ خود علامہ اقبالؒ، جو افغانستان میں پہنچ کر اعلیٰ حضرت نادر شاہ شہیدؒ کو قرآن کے ہدیہ سے سرفراز کرتے ہیں:

در حضورِ آں مسلمانِ کریم
ہدیہ آوردم ز قرآنِ عظیم
گفتم ایں سرمایۂ اہلِ حق است
در ضمیرِ او حیاتِ مطلق است

اندرو ہر ابتدا را انتہا است
حیدرؓ از نیروے او خیبر کشا است
نشۂ حرفم بخونِ او دوید
دانہ دانہ اشک از چشمم چکید

اعلیٰ حضرت شہیدؒ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور اِس طرح فرماتے ہیں :

گفت "نادر" در جہاں بے چارہ بُود
از غمِ دین و وطن آوارہ بُود
کوہ و دشت از اضطرابم بے خبر
از غمانِ بے حسابم بے خبر
نالہ با بانگِ ہزار آمیختم
اشک با جوئے بہار آمیختم
غیرِ قرآں غم گسارِ من نہ بود
قوّتش ہر باب را بر من کشود"

یہی مسافر غزنی میں وارد ہوتا ہے اور حکیم سنائی کے مزار پر حضوری کا شرف حاصل کرتا ہے۔ حضرتِ اقبال کو صاحبِ مزار کی خوبیوں کا منبع قرآن مبارک نظر آتا ہے۔ آپ اسی سلسلہ میں اپنے مرشدِ رومیؒ کو بھی یاد فرماتے ہیں اور ان کو بھی قرآن ہی کے نور سے منور پاتے ہیں۔ گویا سنائی اور رومی دونوں کا نصابِ زندگی قرآن ہی تھا اور دونوں ایک ہی مکتب کے تعلیم یافتہ تھے۔

ہر دو را از حکمتِ قرآں سبق
او ز حق گوید من از مردانِ حق

اس کے مسافر **سلطان محمود** غزنوی علیہ الرحمۃ کے مزار پر حاضر ہوتا ہے اور اس ذاتِ گرامی کے جذبۂ جہاد اور دبدبۂ فتوحات کی یاد سے اپنے دل و دماغ کو تازہ کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ یہاں قدسی قرآن خوانی میں مصروف ہیں ؎

زیرِ گردوں آیت اللہ زاتش
قدسیاں قرآں سرا بر تربتش

اَب یہی مسافر قندھار میں **خرقۂ مُبارک** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو رہا ہے اور اس موقع پر فقر و جہاد کی تلقین ہو رہی ہے:

خرقۂ آں "بَرزَخٌ لَّا یَبغِیَان"
دیدمش در نکتۂ "لی خرقتان"[1]

دینِ او آئینِ او تفسیرِ کل
در جبینِ او خطِ تقدیرِ کل

عقل را او صاحبِ اسرار کرد
عشقِ او را تیغِ جوہر دار کرد

کاروانِ شوق را او منزل است ۔

---

[1] لی خرقتان الفقر و الجہاد

ما ہمہ یک مشتِ خاکیم او دل است

آشکارا دیدنش "اسرائے" ماست
درضمیرش "مسجدِ اقصائے" ماست

آمد از پیراہنِ او بوئے او
داد مارا نعرۂ اَللّٰہ ھُو

مثنوی کے اخیر میں جواں سال اعلیٰحضرت ظاہر شاہ سے یہی اُمیدیں وابستہ ہیں کہ قرآنی تبلیغ کا حق ادا کریں اور اسلامی بادشاہ کے فرائض ادا کریں :

روز ہا شب ہا تپیدن می تواں
عصرِ دیگر آفریدن می تواں

صد جہاں باقی ست درقرآں ہنوز
اندر آیاتش یکے خود را بسوز

باز افغاں را ازاں سوزے بدہ
عصرِ او را صبحِ نو روزے بدہ

برگ وسازِ ما کتاب و حکمت است
ایں دو قوت اعتبارِ ملت است

آں فتوحاتِ جہانِ ذوق و شوق
ایں فتوحاتِ جہانِ تحت و فوق

ہر دو انعامِ خدائے لایزال
مومناں را آں جمال است ایں جلال!

آنکہ حَیٌّ لَا یَمُوْت آمد حق است
زیستن با حق حیاتِ مطلق است

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات
می دہد ما را پیامِ لَا تَخَفْ
می رساند بر مقامِ لَا تَخَفْ
قوتِ سلطان و میر از لَا اِلٰہ
ہیبتِ مردِ فقیر از لَا اِلٰہ
تا دو تیغِ لَا و اِلَّا داشتیم
مَاسِوَی اللہ را نشاں نگذاشتیم!

خاوراں از شعلۂ من روشن است
اے خنک مردے کہ در عصرِ من است

از تب و تابم نصیبِ خود بگیر
بعد ازیں ناید چو من مردِ فقیر!

گوہرِ دریائے قرآں سُفتہ ام
شرحِ رمزِ صِبْغَةُ اللّٰه گفتہ ام

ارمغانِ حجاز

ایک تقدیرِ عمرؓ کے دِگرگوں ہونے سے تاریخ نے کونسا سنہری ورق حاصِل کر لیا۔ آہ وہ سوزِ قرأت کہاں ہے جس نے تقدیرِ عمرؓ کو دگرگوں کیا:

زشامِ ما بروں آور سحر را
بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
تو می دانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دِگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

اقبال بے مستی و سوز کی زندگی کو زندگی نہیں سمجھتے:

ز رازی حکمتِ قرآں بیاموز
چراغے از چراغِ او بر افروز

ولے ایں نکتہ را از من فراگیر
کہ نتواں زیستن بے مستی و سوز

واقعی قرآن انسانی زندگی کے ظاہر و باطن کے سنوارنے کا آئینہ ہے
کاش مُسلمان اب بھی اس کو سامنے رکھیں :

ز قرآں پیشِ خود آئینہ آویز
دِگر گوں گشتۂ از خویش بگریز
ترازوئے بنہ کردار خود را
قیامت ہائے پیشیں را برانگیز

اربابِ ذوق و فہم دیکھیں کہ اقبالؒ کیا کہتے اور کیا چاہتے ہیں :

نماند آں تاب و تب در خونِ نابش
نروید لالہ از کشتِ خرابش
نیامِ او تہی چوں کیسۂ او
بطاقِ خانۂ ویراں کتابش

اقبالؒ کے نزدیک مقامِ لَا تَخَفْ کا مرتبہ کتنا بلند ہے :

بیا ساقی نقاب از رُخ بر افگن
چکید از چشمِ من خونِ دلِ من

بہ آں لحنے کہ نے شرقی نہ غربی ست

نوائے از مقامِ لاتخف زن

عبرت کا مقام ہے کہ عرب اب خود محتاجِ پیام ہیں :

بگو از من نوا خوانِ عرب را

بہائے کم نہادم لعلِ لب را

ازاں نورے کہ از قرآں گرفتم

سحر کردم صد و سی سالہ شب را

اللہ اللہ آج کے صوفی و ملا نے قرآنی تاویلات کو کہاں تک پہنچا دیا ہے :

ز من بر صوفی و ملا سلامے

کہ پیغامِ خدا گفتند ما را !

ولے، تاویلِ شاں در حیرت انداخت

خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

مسلمان سنیں اور اپنے حال پر رحم کریں :

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری

بآیاتش ترا کارے جز این نیست
کہ از یٰسٓ او آساں بمیری

قرآن کا ایک دروازہ بند کر کے مسلمانوں نے اپنے لیے مصائب کے صدہا دروازے کھول لیے ہیں :

درِ صد فتنہ را بر خود کشادی
دو گامے رفتی و، از پا فتادی؛
برہمن از بتاں طاقِ خود آراست
تو قرآں را سرِ طاقے نہادی!

بالِ جبریل

بالِ جبریل میں حمد کا ایک شعر ؎

مجھے معلوم کیا! وہ رازداں تیرا ہے یا میرا
محمدؐ بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا

حزن وخوف جان لیوا چیزیں ہیں، حکیم الامت کے پاس اس کا نسخہ بھی قرآن ہی ہے ؎

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لَا یَحْزَنُوْں کر

بانگ لَاتَخَفْ کی صدا اب بھی بلند ہے۔ گوشِ شنوا کی ضرورت ہے۔

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف

—○—

اسی سلسلے کی سنہری کڑی، اندلس کے میدان میں طارقؒ کی دُعا کا ایک شعر سُنیے ؎

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لَاتَذَرْ میں

—○—

دُنیا کا سب سے بڑا سانحہ قرآنِ عظیم کے نام نہاد ماننے والوں کا اس کے ساتھ غلط سلوک ہے ؎

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پازند!

—○—

عشق و مستی کی نگاہ حاصل ہو جائے تو انسان کچھ اور ہی ہو جاتا ہے ؎

نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

—○—

اقبالؒ تڑپتے ہیں اور ہمہ شوق ہیں کہ پھر مُسلمان کس طرح مردِ مجاہد بنے اور وہ عالم دکھائی دے جب کہ یہ حق پرست خدا کا نام بلند کرنے میں

مصروف نظر آئیں۔ دیکھیے کیا سماں کھینچا ہے ؎

آہ وہ مردانِ حق ! وہ عربی شہوار
حاملِ "خُلقِ عظیم" صاحبِ صدق و یقیں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن کا مقام دِل ہے۔ اسی لیے یہ نازل بھی قلبِ مُطہرِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہُوا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اُٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟
دِہ خدایا ! یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں!
تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں!

جبرئیل ابلیس کو بازگشت کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں لیکن ابلیس ابلیس ہے ۔ اپنے رنگ کا جواب دیتا ہے :

جس کی نومیدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات
اُس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھا ہے یا لَاتَقْنَطُوا

مَیں کھٹکتا ہُوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اَللّٰہ ھُوْ ، اَللّٰہ ھُوْ ، اَللّٰہ ھُوْ

لَا اِلٰہ غیر اللہ کی حکومتوں کو مٹانے کے واسطے اور اِلَّا اللہ قیام حکومتِ الٰہیہ کے لیے ۔ اسی کو کئی طرح سے پیش کیا ہے ۔

قلندر جُز دو حرفِ لَا اِلٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لَا اِلٰہ اِلَّا
لُغتِ غریب جبتک ترا دل نہ دے گواہی

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل

یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لَا اِلٰہ میں ہے

لبالب شیشۂ تہذیبِ حاضر ہے مئے لَا سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ اِلّا

اے لَا اِلٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ ، کردارِ قاہرانہ

مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لَا اِلٰہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لَا اِلٰہ

ایک ہی چیز میں زمین و آسمان کا فرق :

اَرِنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں

تھا اَرِنی گو کلیم ، میں اَرِنی گو نہیں
اس کو تقاضا روا ، مجھ کو تقاضا حرام

یورپ سے ایک خط کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس دور کے لیے

بھی رومیؒ کا پیام صرف قرآن ہے ۔ سوال و جواب دونوں سے لطف اندوز ہوجیے اور دیکھیے کہ قرآن بننے کے لیے کونسی غذا تجویز کی جاتی ہے ۔

سوال :

ہم خوگرِ محسوس ہیں ساحل کے خریدار
اِک بحرِ پُرآشوب و پُراسرار ہے رومیؒ
تو بھی ہے اسی قافلۂ شوق میں اقبالؔ
جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومیؒ

جواب :

کہ بناید خورد و جو ہمچوں خراں
آہوانہ در ختن چرارغواں
ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود
ہر کہ نورِ حق خورد قرآں شود

ضربِ کلیم

اقبال کو یقین ہے کہ نصرانی دُول کی تہذیب و ترقی اپنے ہاتھوں آپ خودکشی کرے گی۔ یہ جو آگ کی ہولی کھیلیں گے اس میں شیطان اپنے دامن کی ہَوا دینے کی تاک میں ہے۔ یہ ابلیس دُنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتا لیکن اگر اُس کو خوف ہے تو مسلمانوں سے، مگر اطمینان کا سانس اُس وقت لیتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اس اُمت کے پاس قرآن نہیں:

ہے مرے دستِ تصرّف میں جہانِ رنگ و بُو
کیا زمیں کیا مہر و مہ کیا آسمانِ تو بتو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشہ غرب و شرق
مَیں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو
کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ

سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو

کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سبو

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مُو،

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں

بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں

ہے یہی بہتر، الٰہیات میں الجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات

ابنِ مریمؑ مر گیا یا زندۂ جاوید ہے؟
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات؟

آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریمؑ کے صفات

ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟

کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات؟

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

مست رکھو، ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے

پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

تن بہ تقدیر کے زیرِ عنوان اس حسرت ناک انقلاب کا ذکر کرتے ہیں، جو قرآنِ حکیم کے غلط استعمال سے مسلمانوں کے لیے مقدر ہوا۔

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر

تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

معنیٰ والنّجم کی طرف کس دل آویز پیرائے میں توجہ دلاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

دے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرہ مہ و مہر کو تاراج
مشکل نہیں یارانِ چمن! معرکۂ باز
پُرسوز اگر ہو نفسِ سینۂ دراج
ناوک ہے مسلماں! ہدف اس کا ہے ثریا

ہے سِرّ سراپردۂ جاں نکتۂ معراج

تو معنیِ "والنجم" نہ سمجھا تو عجب کیا

ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

ام الکتاب کا حاصل عشقِ الٰہی ہے۔ علم، عشق کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اقبال نے اپنے پیرِ رومؒ سے یہ تعلیم بھی خصوصیت کے ساتھ ورثہ میں پائی ہے:

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن!

عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن!

بندۂ تخمین و ظن! کرمِ کتابی نہ بن!

عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات!

علم مقامِ صفات، عشق تماشائے ذات!

عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات!

علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب

عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں!

عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں!

عشق مکان و مکیں! عشق زمان و زمیں!

عشق سراپا یقیں، اور یقیں فتح یاب!
شرعِ محبت میں ہے عشرتِ منزل حرام!
شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام!
عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام!
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے امّ الکتاب

اقبالؒ کو اس بات کا قلق ہے کہ ہند میں حکمتِ دین کا سمجھانے والا کوئی نہیں۔ بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ یہاں کے لوگ قرآن سے بدلتے نہیں بلکہ خود قرآن کو بدل دیتے ہیں:

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے؛
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق !
حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق
خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

مقاماتِ ذکر و فکر سے کس کے حصہ میں کیا آیا اور ان دونوں میں
کیا فرق ہے :

یہ سب ہیں ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا ہے علّم الاسماء

مقامِ ذکرِ کمالاتِ رومی و عطار
مقامِ فکرِ مقالاتِ بوعلی سینا

مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکاں
مقامِ ذکر ہے سُبحانَ رَبِّیَ الاَعلٰی

توحید کیا ہے اور آج اُس کی حقیقت کیا سے کیا ہو کر رہ گئی ہے۔
وحدتِ افکار و وحدتِ کردار کے تطابق کا راز فہم سے باہر ہو گیا ۔ قوم اور
قوموں کی امامت کو ہمارے امام بھی نہیں سمجھ سکتے :

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے ؟ فقط اک مسئلۂ علمِ کلام
روشن اس ضَو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو
خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
مَیں نے اے میرِ سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قُل ھُوَ اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام

آہ ! اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ
وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے ؟ قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

وہ فقر جس میں روحِ قرآنی کارفرما ہو ، ہزار درجہ سلطانی سے بہتر ہے۔ اسی قرآنی فقر سے بے اعتنائی برتنے کا نتیجہ ہے کہ آج کے مُسلمان طرح طرح کی غلامی کے عذاب میں مُبتلا ہیں۔ اِسی سلسلے میں اللہ اور غیر اللہ کی حکومتوں کا فرق اور اس کے قیام میں آنے کی مشکل بھی مرکوزِ خاطر کرنے کی چیز ہے۔ سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ سبق یاد ہو۔ کاش مُسلمان اس بات کو سمجھیں اور عام قرآنی علم و عمل کو لازم گردانیں ؛

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سُلطانی
یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے ظلِ سبحانی
یہ جبر و قہر نہیں ہے یہ عشق و مستی ہے
کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہاد

کیا گیا ہے غلامی میں مُبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

محمد علی باب مشہور فرقہ کا بانی اپنی غلطی کی تاویل کس طرح کرتا ہے اس سے اِس بات کا پتہ بھی چلتا ہے کہ اقبال کی نگاہ میں اُس کی اور اسی طرح کے دوسرے گمراہوں کی وقعت پرکاہ کے برابر بھی نہیں۔

تھی خوب حضورِ علما، باب کی تقریر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سمٰوٰت
اس کی غلطی پر علما، تھے متبسّم!
بولا تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
اب میری امامت کے تصدق میں ہیں آزاد
محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات

آیاتِ الٰہی کے نگہبان اقبال اپنے بارے میں رُوحِ مطہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہیں کہ جب اُن کی قوم ان کے پیام کی حامل نہیں بنتی تو اب وہ کیا کریں اور کہاں جائیں۔ اِس سے اُن کی حسرت، خواہش اور ساتھ ہی بے بسی کا کیسا بے پناہ اظہار ہے:

شیرازہ ہُوا ملّتِ مرحُوم کا ابتر
اب تُو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے!

وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے؟
اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمدؐ
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے؟

اقبال کی سیاست کا مقام بلند تر ہے اسی لیے اُن کی طلب بھی اعلیٰ ہے انھوں نے وقت پر وہ باتیں کہی ہیں جو سیاسی رہنماؤں کی ذہنی ترقی کا باعث بنی ہیں۔ مانگے کی خلافت سے عار دلانا کوئی معمولی بات نہیں۔

اسی طرح لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ کو لاہور اور کراچی۲؎ کے سلسلے میں یاد دلاتے ہیں:

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمانِ غیور
موت کیا شے ہے؟ فقط عالمِ معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ! اے مردِ مسلماں تجھے کیا یاد نہیں
حرفِ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ

۲؎ غالباً علم الدینؒ اور عبدالقیوم شہیدؒ مراد ہیں

مردِ مسلماں اقبال کی نگاہ میں کون ہے ؟ اس کا مرتبہ کیا ہے؟ قابلِ ملاحظہ ہے۔ سُنیے اور سر دُھنیے :

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی بُرہان!

قہاری و غفاری و قدوسی و جبرُوت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مُسلمان!

ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان!

یہ راز کسی کو نہیں معلُوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دُنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن

ہندوستان کے مُسلمانوں کے لیے دیکھیے کس قسم کے فقرے چست کرتے ہیں اور اس دَور کی حریت نوازی کا مذاق اڑاتے ہیں :

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حُرّیتِ افکار کی نعمت ہے خداداد
چاہے تو کرے کعبے کو آتشکدہ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خُود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشہ
اسلام ہے محبوس مسلمان ہے آزاد

نباتات وجمادات اور انسان میں جو فرق ہے وہ پابندیٔ تقدیر اور پابندیٔ احکامِ الٰہیّہ کی شکل میں ہے اور مومن تو نام ہی اُس کا ہے جس کا بال بال احکامِ الٰہیّہ سے بندھا ہُوا ہو :

پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام؟
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خردمند
اِک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات وجمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

اقبال کے نزدیک یہی وقت ہے کہ قُلِ الْعَفْو کی حقیقت آشکار ہو۔ اس کی محرک اشتراکیتِ رُوس ہے :

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سُود نہیں روس کی یہ گرمیٔ رفتار
اندیشہ ہُوا شوخیٔ افکار پہ مجبُور
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہُوا بیزار
انساں کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چُھپا کر
کُھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار
جو حرفِ قُلِ الْعَفْو میں پوشیدہ ہے اب تک
اِس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

قرآن حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا خواستگار ہے۔ حکم خدا ہی کے لیے ہے۔ اس حکم کے سامنے اور کوئی حکم نہیں چل سکتا اور اس کی حکومت کے مقابلے میں کوئی حکومت نہیں۔ قرآن حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا اِس کے نزدیک زمین پر حکومت کا حق اسی شخص کو پہنچتا ہے جو خود پہلے اللہ کا محکوم بنے۔ محراب گل خاں کے افکار کے سلسلے میں ایک بند

کے شعر یہ ہیں :

کیا چرخِ کج رَو، کیا مہر کیا ماہ
سب راہرو ہیں واماندۂ راہ!

کڑکا سکندر بجلی کی مانند
تجھ کو خبر ہے اے مرگِ ناگاہ!

نادر نے لُوٹی دِلی کی دولت
اِک ضربِ شمشیر! افسانۂ کوتاہ!

افغان باقی، کہسار باقی،
اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ! اَلْمُلْکُ لِلّٰہِ

یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمان اپنے اس مقصدِ زندگی کو فراموش کر بیٹھے ہیں جو اُن کے خالق کی طرف سے متعین کیا گیا تھا۔ اُمتِ وسط کا طغرۂ امتیاز باقی نہیں رہا۔ خَیْرُ اُمَّۃٍ کا خطاب بے معنی ہو گیا۔ ہمارے نزدیک اس کا واحد سبب قرآنی علم و عمل کا فقدان ہے۔ بہرحال مُسلمان ایک تبلیغی قوم کا نام ہے اور ایک مومن کو "بشیر و نذیر" کے سوا اور کچھ نہیں ہونا چاہیے :

آدم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہد
مشکل نہیں اے سالکِ رہ علمِ فقیری

فولاد کہاں رہتا ہے شمشیر کے لائق

پیدا ہو اگر اس کی طبیعت میں حریری
خود دار نہ ہو فقر تو ہے قہرِ الٰہی
ہو صاحبِ غیرت تو ہے تمہید امیری
افرنگ ز خود بے خبرت کرد وگرنہ
اے بندۂ مومن تو بشیری و نذیری

بانگِ درا

زیرِ عنوان شمع "گلشنِ کُن" کی تفسیر فرماتے ہیں :

صبحِ ازل جو حُسن ہوا دِلستانِ عشق
آوازِ کُن ہوئی تپش آموز جانِ عشق
یہ حُکم تھا کہ گلشنِ کُن کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ

شکوہ میں کہتے ہیں :

کون سی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی؟
اور تیرے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہانگیر جہاندار ہوئی؟

جوابِ شکوہ میں اسلام کی جن مرکزی چیزوں کا نام لیا گیا ہے ۔ میرے نزدیک صرف قرآن کی مرکزیت میں وہ سب جمع ہیں :

منفعت ایک ہے اس قوم کی ، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ ، دین بھی ، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
کون ہے تارکِ آئینِ رسولِؐ مختار ؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار ؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ؟
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار ؟
قلب میں سوز نہیں ، رُوح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو ؟ یہ اندازِ مُسلمانی ہے ؟
حیدریؓ فقر ہے نے دولتِ عثمانیؓ ہے

تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

آگے چل کر مسلمانوں کو اُبھارتے ہیں۔ قوتِ عشق سے ہر پست کو بلند کر دینے کی تلقین اور دنیا بھر میں اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اجالا کر دینے کی تعلیم دیتے ہیں:

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکْ دیکھے

سلطنت ذاتِ باری تعالیٰ ہی کے لیے سزاوار ہے۔ اس عنوان کے تحت پوری نظم قرآنِ حکیم کی روشنی میں پڑھیے اور دیکھیے کہ اقبالؔ جس کی آزادی کے دلدادہ ہیں۔ وہ آج اس نیلگوں آسمان کے نیچے کس درجہ مفقود ہے اور پھر غیر اللہ کی حکومتوں کے چلانے کے واسطے جو سنہری، روپیلی روشیں اختیار کی جاتی ہیں ان کی قلعی کس طرح کھولتے ہیں:

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنَّ الْمُلُوک

سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اسکو حکمراں کی ساحری
جادوئے محمُود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری
خونِ اِسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری
سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بُتانِ آذری

از غلامی فطرتِ آزاد را رُسوا مکن
تا تراشی خواجۂ از برہمن کافر تری!

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیراز نوائے قیصری
دیوِ استبدادِ جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِّ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتار اعضائے مجلس الاماں

یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری!

اِس سرابِ رنگ و بُو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ! اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو!

دنیائے اِسلام کے زیرِ عنوان جو کچھ کہنا تھا سب کچھ کہا اور پھر ٹیپ کا بند یہ ہے ؎

مُسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیشِ نظر لَا یُخلِفُ المِیعاد دار

بلاشبہ مُسلمان کو ہر گھڑی لَا یُخلِفُ المِیعاد پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

گرچہ تُو زندانیٔ اسباب ہے
قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھ
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بُنیاد رکھ
اے مُسلماں ہر گھڑی پیشِ نظر
آیۂ لَا یُخلِفُ المِیعاد رکھ
یہ لسان العصر کا پیغام ہے
اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ یاد رکھ

ستیہ گرہ کے دور میں خلافت کے نام پر مسلمانوں نے بھی ہر طرح کی

قربانیاں پیش کیں اور قید و بند کی کڑیاں جھیلیں۔ لیکن زندان کی برکتوں میں سے بعض افراد کے پلے جو کچھ پڑا وہ، اکبری اقبال کی زبانی یوں ادا ہُوا ہے:

یہ آیۂ نَو جیل سے نازل ہوئی مجھ پر
گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں گیتا

کیا خُوب ہوئی آشتیٔ شیخ و برہمن
اس جنگ میں آخر نہ یہ ہارا نہ وہ جیتا

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی "بد۔ی"
مسجد سے نکلتا نہیں، ضدی ہے "سیتا"

حرفِ یَنْسِلُوْنَ کی تفسیر سنیے:

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
دیکھیے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون

حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا "وَقَدْ کُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْن"

"کھل گئے" یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مُسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ یَنْسِلُوْن

سرمایہ داری اور مزدوری عصرِ حاضر کا اہم اور معرکۃ الآرا مسئلہ

ہے۔ پھر یہ اقبال کی نگاہ میں کیونکر اوجھل رہ سکتا تھا:

کارخانے کا ہے مالک مردکِ ناکردہ کار!

عیش کا پتلا ہے محنت ہے اسے ناسازگار

حکمِ حق ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعیٰ

کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

GHALIB ACADEMY
(Mat. NIZAMUDDIN)